

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# ڈاکٹر کی کامیاب معاشرتی زندگی

کیپٹن (ر) نعمان امام

ستارہ امتیاز (ملٹری)، پاکستان نیوی

# ڈاکٹر کی کامیاب معاشرتی زندگی

کیپٹن (ر) نعمان امام

ستارہ امتیاز (ملٹری)، پاکستان نیوی

youtube channel: noaman imam



## ضابطہ

کتاب: ڈاکٹر کی کامیاب معاشرتی زندگی  
مصنف: کیپٹن (ریٹائرڈ) نعمان امام، ستارہ امتیاز (ملٹری)، پاکستان نیوی  
Email: noaman.imam@yahoo.com  
youtube channel: noaman imam  
اشاعت: ۹ جولائی ۲۰۲۲  
ناشر: دار النعم  
طابع: شمسی پبلشرز، اردو بازار، کراچی، پاکستان  
فون: +1-281-407-7509  
+44-7380-900-305  
+92-300-243-3716  
ISBN #: 978-627-513-175-5  
قیمت: Rs.500/=  
ملنے کا پتہ: دار النعم، کراچی۔ فون: +92-336-936-9222

## انتساب

تمام پاکستانی ڈاکٹرز بشمول  
اپنی بہنوں ڈاکٹر صائمہ اور ڈاکٹر آصفہ  
کے نام



## ترتیب

- |    |   |
|----|---|
| ۹  | ☆ اظہارِ تشکر                               |
| ۱۰ | ☆ دیباچہ                                    |
| ۱۳ | حصہ اول                                     |
| ۱۴ | ۱- معالج کی کرامت                           |
| ۱۷ | ۲- رات کی ڈیوٹی (نائٹس)                     |
| ۲۰ | ۳- رشتے داروں کا علاج                       |
| ۲۴ | ۴- کچھ بڑا سوچیں                            |
| ۲۸ | ۵- انفاق (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا)         |
| ۳۲ | ۶- وہ گزرے دن یاد ہیں                       |
| ۳۵ | ۷- انتہائی حساس پیشہ                        |
| ۳۷ | ۸- واپسی                                    |
| ۴۰ | ۹- پیشہ ورانہ آزمائش                        |
| ۴۳ | ۱۰- اللہ کے قریب                            |
| ۴۶ | ۱۱- طبی مہارت کے میدانِ زچگی و امراضِ نسواں |

(Gynaecology) کا انتخاب

- حصہ دوم
- ۵۱
- ۵۲ - ۱۲ بہترین اجیر (BEST EMPLOYEE)
- ۵۶ - ۱۳ کام پر مزاحمتی ماحول کا حل
- ۶۶ - ۱۴ ہمیں کیوں پیدا کیا گیا؟
- ۷۲ - ۱۵ دُبلے کیسے ہوں؟
- ۸۰ - ۱۶ پراویڈنٹ فنڈ (Provident Fund)
- ۸۵ - ۱۷ رفیقِ حیات
- ۸۸ - ۱۸ خوشگوار گھریلو زندگی کی طرف واپسی
- ۱۰۱ - ۱۹ اُتارے جانے سے پہلے
- ۱۰۸ - ۲۰ قرآن کونہ چھوڑیں
- ۱۱۳ - ۲۱ پیشہ ورانہ ماحول میں خواتین کا خیال
- ۱۱۸ - ۲۲ بیرون خانہ مصروفِ عمل اپنی بہنوں کے نام
- ۱۲۳ - ۲۳ بد اخلاقی سے بچنے کا طریقہ
- ۱۲۷ - ۲۴ داماد کیسا ڈھونڈیں
- ۱۳۱ - ۲۵ جب شادی ہو کر جائیں
- ۱۳۹ - ۲۶ دولہا کی امی کے نام
- ۱۴۲ - ۲۷ جامع دُعا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اظہار تشکر

اپنی والدہ محترمہ خدیجہ سید کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اردو ادب کے  
قوانین و اسالیب کی میری کم عمری میں تعلیم فرمائی۔

نعمان امام

## دیباچہ

یہ کتاب ڈاکٹر خواتین و حضرات سے مخاطب ہونے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ ہم آپ کے ممنون ہیں کہ آپ کی شب و روز محنت ہم انسانوں کی زندگی کی لکیر (Life-line) جاری رکھے ہوئے ہے۔ آپ کا مرتبہ بہت اعلیٰ ہے۔ اللہ قرآن میں فرماتے ہیں:

”اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اُس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔“ (سورۃ مائدہ، آیت نمبر ۳۲)

اس کتاب میں دی گئی باتیں اور گزارشات آپ کے پیشہ سے باہر (Outsider) کی طرف سے ہیں جو بحیثیت مریض آپ سے متعلق ہوا اور پھر اُس نے جو آپ کے متعلق اچھا خیال کیا وہ قسط اس پر قلم بند کر دیا۔ اس کتاب میں پیشہ وارانہ طور پر (Professionally) بہتر بننے سے متعلق باتیں نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اسے لکھنے والا خود ڈاکٹر نہیں ہے، لہذا پروفیشن پر اظہار خیال (Comments) نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ کے ایک معاشرے کے فرد ہونے کی وجہ سے جو معاشرتی تعلقات آپ کے پیشے کی نسبت سے دوسرے لوگوں سے ہیں اُن پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ یوں چند گزارشات پیش کی گئی ہیں جن کی بدولت آپ ڈاکٹر معاشرتی زندگی میں بھی کامیاب کہلائے جاسکتے ہیں۔ انشاء اللہ۔

گزارش ہے کہ اس کتاب کو نصیحت یا ایک غیر متعلق فرد کی طرف سے مہمل باتوں کے طور پر نہ لیں۔ آپ سب مجھ سے علم میں بڑھ کر ہیں اور بڑوں کو نصیحت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے، جو بحیثیت معاشرے کے ایک فرد کے اپنے اور آپ کے لئے، اپنی ناقص رائے میں معاشرتی طور پر (In a societal context) بہتر سمجھا وہ پیش کر دیا ہے۔

کوشش کی ہے کہیں قلم حد ادب سے تجاوز نہ کرے۔ پھر بھی اگر آپ ڈاکٹر صاحبان میں سے کسی کو میری بات نامناسب لگے تو چھوٹا سمجھ کر رد کر رکھیجئے گا۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول خالصتاً آپ ڈاکٹر صاحبان کے لئے ہے۔ جبکہ دوسرے حصے میں اپنی گزشتہ کتب ”کامیاب پیشہ ورانہ زندگی کی حکمتیں“ اور ”کامیاب معاشرتی زندگی کی حکمتیں“ سے منتخب مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ مضامین بھی آپ ڈاکٹر خواتین و حضرات کے بحیثیت پیشہ ور (Professionals) اور معاشرے کے ایک فرد ہونے کی بدولت دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

یہاں میں جناب زاہد حسین چھپیا صاحب کا شکر یہ ادا کروں گا جن کی بدولت نیٹ پر موجود اُن کے بنائے گئے سافٹ ویئر Islam360 سے احادیث کے حوالہ جات مرتب کرنے میں انتہائی مدد ملی۔ اس سافٹ ویئر کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کوئی لفظ لکھیں تو وہ لفظ جن تمام احادیث میں استعمال ہوا ہے، وہ احادیث موبائل سکرین پر آپ کے سامنے آ جاتی ہیں۔ اسی طرح مطلوبہ قرآنی آیات تک رسائی بھی بہت آسان ہو جاتی ہے۔ یہ سافٹ ویئر آپ کے موبائل میں ڈاؤن لوڈ کیا

جاسکتا ہے۔ اللہ اس آسانی کو بہم پہنچانے کی بدولت جناب چھپیا صاحب کو جزائے  
خیر عطا فرمائے، آمین

والسلام  
آرکا مخلص  
نعمان امام

## حصہ اوّل

## معالج کی کرامت

تندرستی کسے عزیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ ڈاکٹر کے علاوہ اور کوئی اسے اس بیماری سے نکلنے میں مدد نہیں دے سکتا۔ یہی خیال اُسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہے اور یوں وہ شخص صحت یابی کی امید لئے دو اخانہ پہنچ جاتا ہے۔ تکلیف اور بری حالت میں جب یہ شخص ڈاکٹر کے کمرے میں، طویل قطار میں اپنی باری کا انتظار کرنے کے بعد داخل ہوتا ہے، تو اُسکی ذہنی کیفیت کچھ اس طرح کی ہوتی ہے:

”کیا میں ڈاکٹر صاحب کو اپنی کیفیات کی تفصیل بتا سکوں گا؟“

”کیا ڈاکٹر صاحب میری بات مکمل سن لیں گے؟“

”کیا وہ مجھے تسلی بخش وقت دے سکیں گے؟“

انہی خیالات میں وہ مریض جب ڈاکٹر کے ساتھ رکھے گئے مونڈھے (Stool) پر بیٹھتا ہے تو اسکی تمام تر خواہش اس بات پر مرکوز ہوتی ہے کہ اُسکی بات اچھی طرح سن لی جائے۔ اور جب ڈاکٹر صاحب یا صاحبہ یہ کہتے ہیں کہ ”جی بتائیے آپ کو کیا تکلیف ہے؟“ تو وہ اپنی روداد شروع کرتا ہے۔

بس یہی وہ چند لمحات ہوتے ہیں کہ جب بحیثیت ڈاکٹر اگر آپ نے اُسکی بات مکمل طور پر توجہ سے سن لی تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے اور اپنے دل میں مصمم ارادہ کرتا

ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے میری بات پوری طرح سنی ہے اور اب یہ جو بھی دوا تجویز کریں گے میں اُسے بخوشی استعمال کروں گا، کیوں کہ مجھے تندرست ہونا ہے۔ اُس کو وقت دینے کے بعد اور اُس کی کیفیات کا پوچھنے اور اُسے جسمانی طور سے چیک کرنے کے بعد جب آپ دوا لکھ دیتے ہیں تو وہ آپ سے اُسے کھانے کی ترکیب پوچھتا ہے۔ گو آپ نے صبح، شام وغیرہ یعنی (OD)، (TDS) ہر دوائی کے آگے لکھ دیا ہوتا ہے مگر پھر بھی آپ اُسکی تسلی کے لئے اُسے بتاتے ہیں کہ بھئی اِسے اِس طرح لینا ہے۔ اور پرہیز وغیرہ سے متعلق ایک آدھ سوال کے بعد بغیر کسی پریشانی کے، جو اُسے ہو سکتی تھی اگر آپ مکمل طور پر اُسکی بات نہ سن پاتے یا دواؤں وغیرہ کی تفصیل نہ بتا پاتے، وہ اطمینان سے آپکا کمرہ چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں پر آپکا کام اختتام پزیر ہو جاتا ہے۔

دیکھا اور سنا یہی گیا ہے کہ جو معالج خواتین و حضرات مریض کی بات مکمل سنتے ہیں، اُسکی کیفیات کا پوچھتے ہیں، اُسے کھل کر کہنے کا موقع دیتے ہیں وہ کرامت حاصل کر لیتے ہیں۔ جی ہاں! مریض آدھا ٹھیک ہو کر آپ کے پاس سے جاتا ہے۔ باقی آدھا کام دواؤں نے کرنا ہوتا ہے، جو آپ نے اُسے لکھ کر دی ہوتی ہیں۔

مریض کی بات سننا اور اُسے وقت دینا ہی ایک ڈاکٹر کی کامیابی کا راز ہے۔ دوائیں تو سب نے لکھ کر دینی ہوتی ہیں اور تقریباً وہی جو اُس وقت ڈاکٹروں میں صحت یابی کی غرض سے معروف ہوتی ہیں۔ مگر جو ڈاکٹر خواتین و حضرات بات توجہ سے سنتے ہیں، مریض کے سوالات کا جواب دیتے ہیں مثلاً پرہیز وغیرہ سے متعلق یا اُسکی بیماری کے متعلق اور اُسکو دواؤں کی تفصیل بتاتے ہیں پھر اٹھتے وقت ملائمت سے یہ بھی پوچھ لیتے ہیں کہ کوئی اور سوال کرنا چاہیں تو پوچھ سکتے ہیں، وہی ڈاکٹر معاشرے میں اس فقرے کے ساتھ مشہور ہو جاتے ہیں:

”اللہ نے ان کے ہاتھ میں بڑی شفا رکھی ہے۔“

یہ بات درست ہے۔ اس پر غور کیجئے۔ شفا اللہ نے دینی ہے۔ تندرست دواؤں نے کرنا ہے۔ آپ کا کام صرف مریض کو وقت دینا ہے۔ جب یہ مثلث (Triangle) پوری ہو جائے تو آپ بہترین ڈاکٹر بن جاتے ہیں۔

قرآن میں اللہ کیا خوب فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

” اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر کے چن لیتا ہے۔ اور وہ

بڑا ہی فضل و کرم والا ہے۔“ (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۰۵)

آخر میں ایک اہم گزارش کرتا چلوں۔ وقت دینا اور بات مکمل سننا کبھی مریضوں کے رش کی وجہ سے آپ کے لئے بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔ لہذا کوشش کریں کہ لہجہ نرم (Soft) اور معائنہ کرتے وقت اپنے اندر مریض کی خیر خواہی کا جذبہ تازہ رکھیں۔ انشاء اللہ، کسی نہ کسی طرح اللہ مریض کو مطمئن کر دیں گے اور آپ کی کرامت برقرار رہے گی۔

در اصل لہجہ Soft رکھنا یا نرمی سے کام لینا ہمارے رب کا message ہے جو بڑی خوبصورتی سے ہمیں دیا گیا ہے۔ قرآن کا ایک لفظ ہے **وَلْيَتَلَطَّفْ**، جو پندرہویں س پارے میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ جلی حروف (Bold) میں لکھا ہوتا ہے۔ (یہ لفظ سورۃ کہف کی آیت نمبر ۱۹ میں ہے)۔ وجہ اس کو Bold کر کے دکھانے کی یہ ہے کہ یہ لفظ قرآن کا حروف کے لحاظ سے درمیان (Centre) ہے۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ قرآن کا موضوع انسان ہے۔ لہذا جو لفظ اس انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہونا چاہئے وہ گویا پورے قرآن کے درمیان میں Centre idea کے طور پر دے دیا گیا ہے۔ یعنی **وَلْيَتَلَطَّفْ** ترجمہ: اور چاہئے کہ نرمی سے کام لے۔

## رات کی ڈیوٹی (نائٹس)

ڈاکٹروں کی زندگی میں نائٹ ڈیوٹی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ناگہانی حادثہ یا بیماری وقت دیکھ کر نہیں آتی؟ یہی وجہ ہے کہ مریض کبھی بھی ہسپتال لایا جاسکتا ہے۔ یہ نائٹ ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹروں ہی کا معاشرے پر احسان ہے کہ وہ ان حادثات و اچانک بیماری کے تحت مریض پر آنے والی مصیبت سے نمٹنے کے لئے ہمہ وقت چوکس اور مستعد ہسپتالوں میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔ اُن کا رتبہ اللہ کے نزدیک بہت بلند ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اپنے کلام میں ان ڈاکٹروں کی یوں تعریف فرمائی ہے:

”اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے تو ایسا ہے جیسے اُس نے تمام انسانوں

کی جان بچالی۔“ (سورۃ مائدہ، آیت نمبر ۳۲)

سبحان اللہ۔

اسی طرح نائٹس ہی بعض ڈاکٹروں کے طب کے خصوصی میدان (Field of Speciality) کو منتخب کرنے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان میں کمی یا نہ کرنے کی سوچ کبھی نوواردانِ طبی دنیا (Young Doctors) کو ایسی Field

of speciality کی طرف لے جاتی ہے جسے وہ شاید نہ اپنا کر طبی میدان میں بہتر کارکردگی دے پاتے۔ گو اس کا ادراک انہیں اُس وقت ہوتا ہے جب خاصی دیر ہو چکی ہوتی ہے اور اُن کی منتخب شدہ فیلڈ ہی اب اُن کا اور ڈھنسا بچھونا ہوتی ہے۔

لہذا گزارش ہے کہ نائٹس کے مد نظر اپنی Field of Speciality

منتخب نہ کریں۔ آپ ﷺ کی خوبصورت حدیث ہے۔

”جس کو جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اُس کے لئے وہ کام آسان کیا

گیا ہے۔“ (بخاری، حدیث نمبر ۴۹۴۹)

چنانچہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کسی مخصوص طبی میدان کا رجحان رکھتے ہیں اور اس میں کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ سکتے ہیں یعنی Excel کر سکتے ہیں تو پھر اُس کو منتخب کیجئے۔ انشاء اللہ وہ میدان آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔ اپنے رجحان کو تقویت دینے کے لئے جو قوت آپ کو طب کا خصوصی میدان (Field of Speciality) منتخب (Selection) کرنے کے لئے درکار ہے، اُس کو بروقت حاصل کرنے کا طریقہ آسان ہے۔ سارا معاملہ نفسیاتی جنگ کا ہے۔ اور آپ اپنی اس نفسیاتی جنگ کو جیت سکتے ہیں اگر آپ انتخاب کے وقت کوئی بڑا مقصد اپنے سامنے رکھ سکیں۔ مثلاً کسی کی جان بچانے کا مقصد، یا کسی فیلڈ میں کم ڈاکٹروں کے ہونے کی وجہ سے معالجین کی کمی (Scarcity) کو پورا کرنے کا جذبہ یا قومی ضرورت اور خدمت وغیرہ۔ اس لئے کہ کسی بڑے مقصد کو سامنے رکھ کر اپنے شعبہ (Field) کا انتخاب کرنا آپ کو بے انتہا قوت اور عزم و حوصلہ عطا کرے گا اور پھر یہی جذبہ ساری زندگی آپ کے ساتھ رہے گا اور آپ کو تقویت دیتا رہے گا۔ آپ راتیں لگا رہے ہوں

گے مگر یہ کبھی آپ کو پیچھے پلٹ کر دیکھنے نہ دے گا، کبھی پچھتاوا ہونے نہ دیگا۔ اس لئے کہ آپ کے منتخب کردہ شعبے (Field of Speciality) کے ساتھ ایک بڑا مقصد جڑا ہوگا یعنی زندگی کا اعلیٰ مقصد (Greater meaning of life)۔ جو لوگ اپنی زندگی میں اعلیٰ مقاصد کے لئے کام کرتے ہیں وہ نہ تھکتے ہیں، نہ پیچھے رہتے ہیں۔ کامیابی اُن کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ اور وہ اپنی دین و دنیا سنوار لیتے ہیں۔ اللہ پاک فرماتے ہیں:

” اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت چاہو اور اُسی کی طرف پلٹ کر آؤ تو وہ تمہیں ایک وقت مقررہ تک بہترین سامان زندگی دے گا اور ہر اُس شخص کو جس نے زیادہ عمل کیا ہوگا، اپنی طرف سے زیادہ دیگا۔“ (سورۃ ہود، آیت نمبر ۳)

لہذا اپنے مخصوص طبی میدان (Field of speciality) کا انتخاب ہر قسم کے خوف سے آزاد ہو کر کریں۔ کیونکہ کسی خوف کے تحت منتخب کردہ فیلڈ آپ کے مخفی جوہر کو نمایاں کرنے اور آپکو Excel کرنے میں ناکام رہے گی۔

## رشتے داروں کا علاج

اللہ آپکو بہت بڑا ڈاکٹر بنا دیتے ہیں۔ دن میں تین سے چار ہسپتالوں میں بیٹھنا آپ جیسے ڈاکٹر کیلئے عام بات ہے۔ آپ کے پاس مریضوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ آپ گھر پر بھی Whatsapp اور SMS پر اُنکی رہنمائی کر رہے ہوتے ہیں۔ غرض آپ سر سے پاؤں تک (Head to Tow) مصروف رہتے ہیں۔ یہ مصروفیت ڈاکٹروں کی زندگی کا خاصہ ہے۔ اسی انتہائی مصروفیت میں آپکے کسی رشتے دار کا فون غالباً طبی مشورے کیلئے آجاتا ہے، آپ اُس وقت مریض ہی دیکھ رہے ہوتے ہیں اور یوں آپ فون Receive نہیں کر پاتے۔ وہ آپکی مصروفیت کے خیال سے رات ساڑھے نو یا دس بجے پھر فون کرتا ہے اور آپ اُس وقت تھکے ہارے خود ڈرائیونگ کرتے ہوئے کچھ گھنٹوں کے آرام کے لئے گھر جا رہے ہوتے ہیں۔ رش یا تھکاوٹ کی وجہ سے آپ پھر فون Receive نہیں کر پاتے اور اُسکے بعد وہ فون پھر نہیں آتا۔ بعد ازاں جب اتفاقاً کسی محفل میں اُس رشتے دار سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ اُس وقت صحت یاب ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ اپنے فون کرنے کا ذکر نہیں کرتا اور آپ بھی آنکھیں نہیں ملاتے۔ بات آئی گئی ہو جاتی ہے۔

رشتے داروں کا بڑا حق ہے۔ اللہ پاک قرآن میں فرماتے ہیں:

”کتاب اللہ کی رُو سے عام مومنین و مہاجرین کے مقابلے میں رشتے دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ اپنے دوستوں کے ساتھ تم کوئی بھلائی (کرنا چاہو تو) کر سکتے ہو۔ یہ حکم کتاب الہی میں لکھا ہوا ہے۔“ (سورۃ احزاب، آیت نمبر ۶)

دراصل یہ اللہ کے بنائے ہوئے رشتے ہیں۔ ہم نے انہیں اپنی مرضی سے نہیں بنایا۔ چونکہ یہ ہمارا انتخاب (Selection) نہیں ہوتے اور اللہ کے دیے ہوئے ہوتے ہے، لہذا اس کا خیال رکھنے کے لئے اللہ ہی ہمیں تاکید فرماتے ہیں کہ کہیں ہم سے اس باب میں بھول چوک نہ ہو جائے۔

قرآن میں جہاں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر ہے وہاں رشتے داروں کو بھی اکثر جگہوں پر ساتھ رکھا ہے۔

”تم اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اور رشتے داروں سے بھی اور یتیموں اور مسکینوں سے بھی۔ اور لوگوں سے اچھی بات کہنا، اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دینا۔“ (سورۃ بقرۃ، آیت نمبر ۸۳)

اسی طرح فرمایا:

”اور اللہ کی عبادت کرو اور اُسکے کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک و احسان کرو اور رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور پڑوسی خواہ رشتے دار ہو یا غیر ہو اور ساتھ بیٹھنے والے ساتھی (Colleague) کے ساتھ اور مسافر اور اپنے مملوک کے ساتھ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو اکڑنے والا، فخر کرنے والا ہو۔“ (سورۃ النساء آیت نمبر ۳۶)

لہذا گزارش ہے کہ جب کبھی کوئی رشتے دار علاج کے لئے رجوع کرے تو

اسے اہمیت (Priority) دیں۔ اُس کا فون Receive کریں۔ اُسکی بات سنیں اور مناسب علاج تجویز کریں۔ بات میں لہجہ ایسا ہو کہ وہ آئندہ اپنی کسی بیماری کے دوران آپ کو فون کرنے سے رُک نہ جائے۔

آپ مصروف ہیں، یہ وہ بھی جانتا ہے۔ مگر اُس نے ہمت کر کے فون کر ہی لیا ہے تو آپ بھی دانشمندی سے اُسے منطقی انجام تک پہنچائیے۔ سخت مصروفیت میں آپ کی گفتگو کا رنگ ایسا نہ ہو کہ وہ محسوس کرے۔ آپ کی مصروفیت کی بناء پر وہ یہ نہیں چاہ رہا کہ آپ گھر آئیں اور اُسے دیکھیں۔ اُسے تو صرف مشورہ چاہیے، جو آپ نرمی سے دے سکتے ہیں۔ اگر اُسے دیکھے بغیر دو تجویز نہیں ہو سکتی اور کوئی نہیں جو اُسے آپ کے پاس دو اخانہ لاسکے تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ آپ ایسی صورتحال میں کیا کر سکتے ہیں۔ کیا اسے گاڑی بھیج کر بلا سکتے ہیں؟ یا رات کو کلینک سے لوٹتے ہوئے کچھ لمحے کیلئے اسکے گھر سے ہو کر جا سکتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

اگر آپ رشتے داروں کو Priority دینے کی نیت کریں گے تو کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکل آئے گی اور آپ اُن کا حق ادا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اللہ جب ذمہ داری ڈالتا ہے تو اسے نبانے کی راہ بھی رکھتا ہے۔ اگر رشتے داروں سے حسن سلوک کا کہا ہے تو لازماً کوئی نہ کوئی راستہ بھی رکھا ہے۔ آپ نے بس اُس راستے کو تلاش کرنا ہے۔

اگر خدا نخواستہ آپ کے والدین میں سے کوئی فوت ہو چکا ہے تو پھر ان رشتے داروں کے ساتھ اُن کی بیماری میں نیکی آپ کے لئے والدین سے حسن سلوک کے برابر ٹھہرے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں، جس نے یہ

سوال کیا تھا کہ: ”کیا ماں باپ کے مرجانے کے بعد بھی اُن کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی صورت ہے؟“، فرمایا تھا:

”ہاں ہے؛ اُن کے لئے دعا کرنا، اُن کی مغفرت چاہنا، ان کے وعدوں کو پورا کرنا، اُن کی وجہ سے رشتے جوڑے رکھنا، اور اُن کے دوستوں کی تعظیم کرنا۔“  
(ابوداؤد حدیث نمبر ۵۱۴۲)

یعنی رشتے داروں کے ساتھ صرف اپنے والدین کی نسبت کی وجہ سے صلہ رحمی (رشتے داروں کے ساتھ اچھے سلوک) کا برتاؤ، ایسا ہی ہے کہ کوئی اپنے ماں باپ کی وفات کے بعد بھی اُن کے ساتھ (یعنی اپنے ماں باپ کے ساتھ) حسن سلوک کرے۔

دوسری طرف ان رشتے داروں کا جواباً آپ کے لئے خیر خواہانہ جذبات رکھنا اور اُن کی دعائیں آپ کو اپنے پیشے میں اور ترقی دیں گی۔ گو آپ نے یہ سب کچھ اس کے لئے نہیں بلکہ اپنے رب کی رضا کیلئے کیا ہوگا کیونکہ یہ اُس کا حکم ہے جو ہم تک کلام پاک کے ذریعے پہنچا ہے۔ آخر میں ایک آیت سے اس مضمون کا اختتام کروں گا۔

”آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ کہئے کہ جو بھلائی تم کرو وہ اپنے والدین، رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہو۔ اور جو بھلائی بھی تم کرو گے، اللہ اُس سے باخبر ہوگا۔“ (سورۃ بقرۃ، آیت نمبر ۲۱۵)

دیکھئے یہاں خرچ کرنے کے سوال پر بھلائی کرنے کا ذکر ہو رہا ہے اور اُن کے ساتھ بھلائی انہیں وقت دے کر بھی کی جاسکتی ہے۔

## کچھ بڑا سوچیں

کچھ بڑا کرنے کا سوچیں یعنی Think Big۔ سوچیے آپ ملک و قوم کے لئے، اپنے معاشرے کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔

آپ ایک مقدس پیشے سے منسلک ہیں۔ دن رات لوگوں کی خدمت میں مصروف ہیں۔ آپ بہت کچھ کر رہے ہیں مگر کچھ ایسا بھی کریں کہ آپ کے جانے کے بعد بھی آپ کو اُسکا اجر ملتا رہے یعنی کوئی ہسپتال، ٹرسٹ، اسکول وغیرہ کا قیام۔  
آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے (وہ منقطع نہیں ہوتے): صدقہء جاریہ، ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور نیک اولاد جو اُس کے لئے دعا کرتی ہو۔“

(مسلم، حدیث نمبر ۴۲۲۳)

اس حدیث کے تناظر میں آپ کوئی کتاب بھی لکھ سکتے ہیں اور کوئی صدقہء جاریہ یعنی جاری رہنے والا نیک کام بھی کر سکتے ہیں۔

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے بے انتہا استعداد رکھی ہے۔ جس کو ہم کہتے

ہیں Immense Potential۔

اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس کو کیسے بروئے کار لاتا ہے۔ یعنی  
How he taps it۔ ڈاکٹر خواتین و حضرات یقیناً مصروف رہتے ہیں۔ اس لئے  
پیشے سے متعلق کوئی اعلیٰ کتاب لکھنا مشکل ہے۔ اسی طرح Welfare Trust بنانا  
اور پھر اُس کو وقت دینا اور بھی مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ڈاکٹر خواتین و حضرات  
مصروفیت کے باعث کوئی باقی رہنے والا کام نہیں کر پاتے اور دن رات مصروف  
رہتے ہوئے، زندگی کے اس Stage پر اپنا کردار ادا کر کے رخصت ہو جاتے  
ہیں۔ یہ حقیقت ہے اور ڈاکٹروں سے زیادہ کون اس حقیقت کو قریب سے دیکھتا ہے۔  
آپکے ہاتھوں میں لوگ جان دیتے ہیں، بعض مریض آپکے سامنے آپکے اندازے  
(Assesment) کے مطابق چھ ماہ، سال زندہ رہنے کے بعد انتقال کر جاتے  
ہیں۔ آپ سے زیادہ زندگی اور موت سے شاید کوئی اور پیشہ ور قریب نہ ہو۔ لہذا اس  
زندگی کے فانی ہونے پر آپ سے زیادہ کون یقین رکھ سکتا ہے؟

تو پھر کیوں نہ ابتداء کریں۔ کام کا آغاز کریں گے تو آہستہ آہستہ اسی  
مصروفیت میں رہتے ہوئے انشاء اللہ تکمیل بھی پا جائے گا۔ سارا کھیل کام کے شروع  
کرنے کا ہے۔ جب آپ نیک نیتی سے ابتداء کرتے ہیں تو اللہ کی مدد شامل حال  
ہوتی ہے اور مصروفیات کے باوجود یہ اضافی کام جو آپ نے سوچا ہوتا ہے، ہو جاتا  
ہے۔ اللہ آپ کے وقت میں وسعت دے دیتے ہیں۔ آپ کا وقت سہ جہتی یعنی  
Three Dimensional ہو جاتا ہے۔ اس میں گہرائی، لمبائی اور چوڑائی

آجاتی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بہت بڑے اسکالر تھے۔ فرانس میں مقیم رہے اور مسلم و نو مسلم سب اُن سے فیضیاب ہوتے رہے۔ ایک مرتبہ پاکستان کسی کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے۔ دورانِ کانفرنس دوسرے دن کے اختتام پر ایک خاتون نے اُنہیں، اُنہی کی فرانسیسی کتاب کے اردو ترجمہ کا مسودہ (Draft) دیا اور اُس میں تصحیح کی گزارش کی۔ مراد یہ تھی کہ آیا وہ (خاتون) اُس کتاب کا اُسی طرح ترجمہ کر پائی ہیں جیسے کہ مصنف (ڈاکٹر محمد حمید اللہ) نے فرانسیسی میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے؟ اگلے روز صبح ڈاکٹر صاحب نے خاتون مترجم کو وہ Draft واپس دے دیا۔ یوں اُس خاتون کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے پانچ سو صفحات کے ڈرافٹ پر ہر صفحے پر کوئی تصحیح (Correction) یا نوٹ لکھا ہوا دیکھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے وہ پانچ سو صفحات مختصر سے وقت میں نہ صرف پڑھے بلکہ تصحیح بھی کر ڈالی۔ سچ ہے بڑے لوگوں کی مصروفیات بھی بڑی ہوتی ہیں مگر اُن کے وقت میں وسعت آجاتی ہے۔ قائد اعظم، حکیم سعید، عبدالستار ایدھی انتہائی مصروف لوگ تھے مگر وہ اپنی انہی مصروفیات میں رہتے ہوئے کئی اور کاموں کیلئے وقت نکال لیتے تھے اور یوں اللہ کی مدد سے وہ کام تکمیل بھی پا جاتے تھے۔

دن بھر کی مصروفیت میں اضافی کام کی مثال ایسی ہے جیسے کہ آپ کے سامان کا سفری بیگ۔ کبھی آپ نے ہوائی سفر سے پہلے اسے پیک کیا ہوگا، جب یہ بالکل بھر چکا ہو۔ یہاں تک کہ آپ بمشکل اُسکی زپ بند کر چکنے کے بعد تالا لگانے والے ہوں تو آپ کو خیال آتا ہے کہ احتیاطاً ایک عدد سویٹر رکھ لیتا ہوں۔ مگر پھر آپ سوچتے ہیں کہ بھرے ہوئے (Full) بیگ کے ساتھ یہ ناممکن ہے، میں ہاتھ ہی میں

پکڑ لیتا ہوں۔ منزل پر پہنچ کر اسے پہن لوں گا۔ پھر خیال آتا ہے کہ ۷، ۸ گھنٹے کہاں اسے لئے ایئر پورٹ پر پھروں گا کہ راستہ میں وقتی قیام (Transit) بھی ہے۔ لہذا آپ سوچتے ہیں کہ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ شاید اٹھائے پھرنے کی مشکل سے بچ ہی جاؤں اور پھر آپ اپنے بھرے ہوئے (Full) سفری بیگ کی بڑی مشکل سے بند کی ہوئی زپ (Zip) کھول ہی لیتے ہیں اور پھر سویٹر کو کپڑوں میں اور دوسرے سامان کے ساتھ Adjust کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں بیگ دوبارہ بند کرنے کی کوشش میں اُس پر بیٹھ کر اُسے خوب دباتے ہیں اور پھر آپ کو حیرت ہوتی ہے کہ وہ بیگ اب کچھ محنت کے بعد Sweater سمیت بند ہو چکا ہے اور آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہے۔ بس یہی مصروف ترین زندگی میں کسی اچھے اضافی کام کرنے کی مثال ہے۔ نیت کریں، کوشش کریں، دعا کریں۔ انشاء اللہ، اللہ آپ سے اسی مصروفیت میں رہتے ہوئے وہ کام لے گا جو خود آپ کے اندازوں سے بھی بہت بلند ہوگا۔ شرط صرف ارادے اور مصروفیت کے باوجود کوشش کرنے کی ہے۔

## انفاق (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ یعنی انفاق فی سبیل اللہ۔  
حدیث شریف میں خرچ کرنے والے کی یوں تعریف فرمائی گئی ہے:

”سختی آدمی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے۔“  
(ترمذی، حدیث نمبر ۱۹۶۱)

قرآن کے شروع میں اللہ سے ڈرنے والوں کی جو پانچ صفات بیان کی گئی ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ

”وہ خرچ کرتے ہیں اُس میں سے جو ہم نے اُنہیں دیا ہے۔“

(سورۃ بقرۃ، آیت نمبر ۳)

زکوٰۃ ادا کرنا بھی انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ یہ فرض ہے اور اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ حدیث ہے:

”جس مال میں زکوٰۃ ملی رہ جائے (یعنی نکالی نہ جائے) وہ اُسے تباہ کر دیتی

ہے۔“  
(مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۱۷۹۳)

انفاق میں زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ ہر وہ مال کا خرچ کرنا شامل ہے جسے آپ

اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔

قرآن میں ہے۔

”وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ جواب دیجئے کہ جو بھلائی تم کرو وہ والدین اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اور جو بھلائی تم کرتے ہو یقیناً اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔“

(سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲۱۵)

اللہ کا قانون ہے کہ وہ نیکی کرنے کا صلہ بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔ اللہ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کو اپنے لئے قرض سے تعبیر کیا ہے، جس کا واپس ادا کرنا اللہ کے لئے ضروری ہے۔

”کون ہے جو اللہ کو اچھے طریقے پر قرض دے۔ پھر وہ اُس کے لئے اُسے کئی گنا بڑھا دے۔ اللہ ہی ہے جو تنگدست بھی کرتا ہے اور کشادگی بھی دیتا ہے اور تم اُسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے۔“

(سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲۴۵)

اسکی مثال ایسی ہے کہ ایک ارب پتی ہے۔ اُس نے کسی فلاحی تنظیم کیلئے لوگوں سے چندے کی اپیل کی اور کہا کہ وہ جتنا دیں گے میں اُس میں بڑھا کر جمع کرادوں گا۔ ہر کسی نے اپنی استعداد کے مطابق دیا۔ کسی نے پانچ سو روپے دیئے، کسی نے ہزار، کسی نے دس ہزار۔ اب جب جمع کرانے کی باری آئی تو اس نے ان سب میں ایک، ایک لاکھ جمع کر کے، فلاحی تنظیم کو رقم جمع کرا دی۔ بڑے لوگوں کا اضافہ بڑا ہوتا ہے۔ پھر اللہ جو قرآن کی اس آیت میں وعدہ دے رہا ہے کہ ”اضعافاً کثیراً“ (یعنی کئی گنا بڑھا دے) تو اُس کا بڑھانا کیا ہوگا؟ اس کی مثال اللہ نے خود دی ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

”جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس کی مثال اُس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سودا نے ہوں اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشتادگی والا اور علم والا ہے۔“

(سورۃ بقرۃ، آیت نمبر ۲۶۱)

دیکھا جائے تو یہ مثال لامحدود یا Infinity بڑھوتی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ شرط ہے کہ انفاق خالصتاً اُس کی خوشنودی چاہنے کے لئے ہو اور کوئی غرض شامل حال نہ ہو۔

جب بڑھوتی کا یہ پیمانہ ہو تو خرچ کیوں نہ کریں۔ دراصل اکثر ہماری آمدن اور اخراجات ساتھ ساتھ بڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہمارے ہاتھ میں زیادہ نہیں بچتا۔ مگر اگر کوئی پہلے نیت کر لے اور پھر اخراجات کرے تو اچھی خاصی رقم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے نکل سکتی ہے۔ یعنی پہلے بنیادی ضروریات کے لئے رقم مختص کر لیں، پھر انفاق کے لئے اور پھر جیسے جیسے آسائش حاصل کرنے کے لئے مختلف ضرورتیں آئیں اُن پر خرچ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ ہر ماہ خاصی رقم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگ گئے ہیں۔ اگر آپ نے بنیادی ضرورتوں کے بعد، دوسرے نمبر پر آسائشی اخراجات رکھے اور مہینے کے آخر میں انفاق کے لئے رقم نکالنے کا سوچا تو کم ہی رقم بچ پائے گی یا شاید بالکل ہی نہ بچ سکے۔ دراصل یہ فطری ہے۔ بنیادی ضرورتوں کے بعد جو آدمی کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ اکثر ادھر ادھر لگ جاتا ہے۔ کبھی بہتر موبائل لے لیا تو کبھی کسی عزیز کی شادی میں ضرورت سے بڑھ کر تحفہ دے دیا وغیرہ۔ یعنی رقم ہاتھ میں ہو تو خرچ ہوتی رہتی ہے۔ لہذا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مناسب طریقہ یہی ہے کہ اخراجات کی

Priority اس طرح رکھیں:

- (۱) بنیادی اخراجات: مہینہ کارا شن اور دوسری ضروریات، بچوں کی فیس، نوکروں کی تنخواہیں، پٹرول کا خرچہ اور دوسرے ضروری اخراجات۔
- (۲) انفاق: جتنا ہو سکے اور اسمیں بھی ترتیب وہ رکھیں جو قرآن نے بتائی ہے۔ یعنی سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲۱۵ کے مطابق (جو اوپر دی گئی ہے)۔
- (۳) آسائشی اخراجات۔

آپ دیکھیں گے کہ آپ ہر ماہ اللہ کی راہ میں دینے لگ گئے ہیں۔ یہ ایک بڑی کامیابی (Achievement) ہوگی کہ اسی آمدن میں آپ پہلے سے زیادہ اللہ کی راہ میں دینے لگے ہیں۔ اور یوں آپ اللہ کی خوشنودی اور اپنی مغفرت کا سامان کر سکیں گے۔ حدیث شریف ہے:

” بندہ کہتا ہے ’میرا مال، میرا مال‘۔ اُس کے لئے تو اُس کے مال سے صرف تین چیزیں ہیں: جو اُس نے کھایا اور فنا کر دیا یا جو پہنا اور بوسیدہ کر دیا یا (اللہ کی راہ میں) دے کر (آخرت کیلئے) ذخیرہ کر لیا۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اُس نے لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلے جانا ہے۔“ (مسلم، حدیث نمبر ۷۴۲۲)

ہمارے ایک عزیز سینئر نے Whatsapp پر اپنے ذاتی (Personal) icon پر خوب جملے لکھے ہوئے تھے، وہ میں یہاں درج کئے دیتا ہوں۔ قابل غور ہیں:

جو کھا گئے، وہ اڑا گئے

جو جوڑ گئے، وہ چھوڑ گئے

جو دے گئے، وہ لے گئے

دعا ہے کہ اللہ ہمارے لئے انفاق فی سبیل اللہ آسان کر دے۔ آمین۔

## وہ گزرے دن یاد ہیں

کس قدر شب و روز کی محنت کے بعد آپ ڈاکٹر بنے۔ آپ بھی جانتے ہیں اور آپکے گھر والے بھی کہ یہ آسان نہ تھا۔ پھر سب ڈاکٹری کے طالب علموں (Students) کے حالات ایک جیسے نہ تھے۔ کوئی آسودہ حال تھا تو کوئی ٹیوشن پڑھا کر فیس ادا کرنے کی فکر میں سرگرداں۔ غرض مختلف حالات کے باوجود آپ سب ایک جیسے تھے یعنی آپکی منزل ایک تھی۔ اور پھر وہ دن بھی آیا جب آپ اپنی پانچ سالہ جدوجہد کا آخری پرچہ دے کر خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار کمرہ امتحان سے باہر نکلے تھے۔ تب آپ سب کی خوشی دیدنی تھی۔ اللہ نے آپ کو پار لگا دیا تھا۔ ایسے بھی تھے جو اپنی پانچ سالہ میڈیکل تعلیم کے شروع سے آخر تک بہترین پوزیشن لیتے رہے اور ایسے بھی تھے جو اکثر Suplee کی بدولت خوفزدہ بھی ہوئے کہ وہ ڈاکٹر بن بھی سکیں گے یا خواہنا خواستہ ڈراپ آؤٹ ہو جائیں گے۔ مگر آج ماشاء اللہ سب کے ناموں کے آگے ڈاکٹر لکھ دیا گیا تھا۔ اللہ کی خاص مہربانی شامل حال رہی تھی اور آپ نے جو سوچا تھا وہ آپ کو مل گیا تھا۔ اب ہاؤس جاب سامنے تھی اور پھر وہ کیریئر جو آپ کی خواہش اور منزل تھی۔

”اور اُس نے تمہیں وہ سب کچھ دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔“  
(سورۃ ابراہیم، آیت نمبر ۳۴)

اسی طرح فرمایا:

”اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ بیشک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔“  
(سورۃ نمل، آیت نمبر ۱۸)

آج کئی سال گزرنے کے بعد ذرا پیچھے نظر ڈالئے۔ ہو سکے تو اپنی مصروف ترین زندگی میں کسی دن چند گھنٹے نکال کر الگ بیٹھ کر سوچئے کہ کیا آپ وہ کر پارہے ہیں جس کے لئے آپ نے میڈیکل کالج میں داخلہ لیا تھا؟ کیا اُس وقت جو سوچ تھی وہ آج بھی سرسبز ہے؟ اگر ہے تو سبحان اللہ اور اگر کسی وجہ سے نہیں کر پارہے تو پھر دیکھیں کہ کہاں بہتری یعنی Correction apply کرنے کی ضرورت ہے۔ کس طرح آپ وہ کرنا شروع کر سکتے ہیں جو آپ اپنی سوچ کے مطابق نہ کر سکے۔

سوچیں کہ کیا آپ کی فیس بہت بڑھی ہوئی تو نہیں؟ کیا آپ صرف امیروں کے ہسپتال میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں؟ کیا آپ مریض کو خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ دیکھتے ہیں یا جلدی اور رش کی وجہ سے صرف مریضوں کو نمٹاتے ہیں۔

آپ نے دکھوں کا مداوا کرنے کے لئے یہ مقدس پیشہ چنا تھا۔ کیا آج جب مریض کم علمی کی وجہ سے زیادہ بات کرتا ہے یا مہمل سوالات کرتا ہے تو آپ کی پیشانی پر بل تو نہیں پڑتے۔ کیا آپ کا لہجہ سخت تو نہیں ہو جاتا۔ کیا آپ صبر کا دامن چھوڑ تو نہیں دیتے۔

کیا آج مصروفیت میں اُن کو تو نہیں بھولتے جنہوں نے آپ کے لئے میڈیکل کالج کے دنوں میں پانچ سال شب و روز دعائیں کی تھیں۔ یعنی بہن بھائی، رشتے دار اور آپ کے اساتذہ۔

کیا آج آپ اپنے ان عزیزوں کے بچوں کا بھی سوچتے ہیں جو قابلیت (Talent) ہوتے ہوئے بھی صحیح رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے کسی مناسب پیشے میں داخل نہیں ہو پارہے۔

کیا زندگی کا مقصد صرف کمانا اور زیادہ سے زیادہ کمانا تو ہو کر نہیں رہ گیا ہے۔

لہذا سوچئے اور Correction apply کیجئے۔ انشاء اللہ آپ وہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جس کے لئے آپ نے یہ مقدس پیشہ چنا تھا۔  
قرآن میں اللہ فرماتے ہیں:-

”کہو: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ ناکام و نامراد کون لوگ ہیں۔ وہ جن کی ساری محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔“

(سورۃ کہف، آیت ۱۰۳، ۱۰۴)

## انتہائی حساس پیشہ

ڈاکٹر ہونا انتہائی حساس پیشے سے واسطہ ہونا ہے۔ شاید جب آپ ڈاکٹر بن رہے ہوتے ہیں اُس وقت آپ کو اس کی حساسیت (Sensitivity) کا اتنا علم نہیں ہوتا جتنا اُس وقت ہوتا ہے جب آپ عملی طبی زندگی (Practical Medical Life) میں قدم رکھتے ہیں۔ اس پیشہ کی حساسیت اس وجہ سے ہے کہ اس کا براہ راست تعلق انسان اور اسکی جان سے ہے۔

جہاں معالجین کو اللہ نے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ:

”اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی

بخش دی۔“ (سورۃ مائدہ، آیت نمبر ۳۲)

وہاں ہمیں یہ احساس بھی شدت سے ہونا چاہئے کہ اگر ہماری غفلت سے کسی انسان کے مرض میں طول آگیا یا خدا نخواستہ کسی کی جان چلی گئی تو یہ بہت بڑا گناہ ہوگا۔ یہی خدا خونی کا جذبہ آپکی پیشہ ورا نہ زندگی میں آپ کے ہر فعل کو سنوار دے گا۔  
آپ نے فرمایا:

” اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرنا تمہارے ہر کام کی زینت کا باعث ہوگا۔“

معالج جب اللہ سے ڈرے گا، تو وہ ہوشیار رہے گا۔

معائنہ کرتے وقت، دوا لکھتے وقت، مریض کے کسی سوال کا جواب دیتے

وقت وہ خیال رکھے گا کہ اُس کے مشورے (Advice) سے مریض کا نقصان نہ ہو جائے اور جب یہ خیال اُس کے دامن گیر رہے گا تو اپنے پیشہ میں وہ دل لگا کر کام کریگا۔ غرض اپنے پیشہ کی حساسیت اور خدا کو جو ابد ہی کا خیال اُسے خوب محنت کرنے، جدید تحقیق (Research) پڑھنے اور دلچسپی (Interest) لینے پر مجبور کئے رکھے گا اور وہ غفلت سے بچا رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”ہر اس کام سے بچو جس کی (بعد میں) معذرت کرنی پڑے۔“

(السلسلہ الصحیحہ، حدیث نمبر ۳۱۷)

آپ بہتر جانتے ہیں کہ آپ کے شعبے میں وہ کیا افعال ہیں جو غفلت کے ضمیرے میں آتے ہیں۔ طبی اخلاقیات (Medical Ethics) آپ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ مریض سے ہائپرٹینشن یا ذیابیطس کا سوال کئے بغیر دوا کا مشورہ (Advice) دینا بھی اُس کے لئے مضر ہو سکتا ہے اور ایک بے ہوشی کے ڈاکٹر (Anaesthetist) کا مریض کے ہوش میں آنے سے پہلے اپنی کام کی جگہ (Place of duty) چھوڑنا بھی۔ دونوں افعال میں غفلت کے لحاظ سے فرق ہے۔ اسی طرح دونوں کے نتائج میں فرق ہے۔ مگر دونوں غفلت ہی ہیں۔

لہذا اپنے طبی میدانِ مہارت (Field of Medical

Speciality) کے Practical aspects کے بارے میں سوچئے۔ کہاں کہاں آپ نے اپنے آپ کو غلطی سے بچانا ہے، کہاں آپ نے غفلت نہیں کرنی۔ اور پھر دن کے اختتام پر دن بھر کے امور کے متعلق سوچئے یعنی Self Analysis کیجئے۔ اپنا اس طرح محاسبہ کرنے سے آپ کی پیشہ ورانہ کارکردگی بہتر ہوتی چلی جائے گی اور یوں آپ ایک کامیاب معالج بن جائیں گے۔

## واپسی

انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے وطن کے لئے کچھ کرے۔ یہ جذبہ حب الوطنی ہی ہوتا ہے جو ایک قابل اور بڑے ڈاکٹر کو وطن سے باہر مقیم رہتے ہوئے اپنے وطن اور اپنے لوگوں کے لئے کچھ کرنے کی تحریک کرتا ہے۔ کبھی یہ جذبہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ ایک بڑا ڈاکٹر خوب اچھی طرح باہر قدم جمالینے کے بعد وطن واپس لوٹتا ہے اور پھر اپنی محنت اور پیسہ یہاں لگاتا ہے تاکہ اپنے ہم وطنوں کی خدمت کر سکے۔ یہ آسان فیصلہ نہیں ہوتا۔ خصوصاً جب آپ کے بچے بڑے ہو چکے ہوں، جب آپ کو ہر کام غیر ملکی معاشرے میں رہنے کی بدولت باسانی کرنے کی عادت ہو چکی ہو۔ یوں خال خال ہی ہوتے ہیں جو واپس لوٹ کر یہاں پریکٹس شروع کریں۔ پھر یہاں کی آہستہ چلتی زندگی (Slow pace) واپس آنے والے کو کم ہی موقع فراہم کر پاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایڈجسٹ (Adjust) کر سکے اور یوں اکثر واپسی کا سفر شروع کر دیتے ہیں اور کچھ عرصے میں غیر ملک دوبارہ لوٹ جاتے ہیں۔ اس طرح وطن کی خدمت کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو پاتا۔

اگر آپ بھی ملک سے باہر مقیم ڈاکٹر ہیں اور یقیناً حب الوطنی کا جذبہ رکھتے ہیں مگر واپس نہیں آسکتے تو کچھ ایسا کریں کہ آپ وہاں رہتے ہوئے اپنے ملک کی خدمت کی خواہش کو تسکین دے سکیں اور باہر رہتے ہوئے بھی ملک و ملت کی خدمت کر سکیں۔

قرآن پاک میں اللہ فرماتے ہیں:

”اور جو آخرت کا خواہشمند ہو اور اُسکے لئے کوشش کرے جیسی کہ اُس کے لئے کوشش کرنی چاہئے، اور ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش مقبولیت پائے گی۔“ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۱۹)

اس قرآنی آیت میں سَعِيًّا مَشْكُورًا (یعنی مقبول کوشش) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس کے تین اجزاء ہیں۔

نمبر ۱: نیت اللہ کی خوشنودی کی ہو اور وطن کی خدمت میں یہی نیت ہوتی ہے۔

نمبر ۲: کوشش جیسی کرنی چاہئے ویسی کی جائے یعنی Whole hearted attempt جیسے Burning the midnight oil۔

نمبر ۳: کرنے والے کے دل میں ایمان ہو۔

لہذا اگر آپ وطن کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس کے کرنے کے لئے منصوبہ بندی (Planning) کیجئے۔ نیت اللہ کی خوشنودی کی رکھیں۔ ہم وطن تعریف کریں یا اچھا سمجھیں اس بات کی نہیں۔ پھر بھرپور کوشش کریں۔ انشاء اللہ آپ باہر رہتے ہوئے بھی قابلِ قدر کوشش یعنی مقبول کوشش کر پائیں گے۔

اس کام کے کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ اور آپ سے بہتر کون جانتا ہے کہ باہر رہتے ہوئے آپ کس طرح اپنے وطن کے لئے کچھ کر سکتے ہیں۔ جیسے آپ کا کوئی قابلِ اعتماد ڈاکٹر پاکستان میں مقیم ہے تو مالی معاونت کے ذریعے کوئی ٹرسٹ (Trust) قائم کر سکتے ہیں۔ اگر اتنا بڑا قدم (Step) نہیں لے سکتے تو محبِ وطن پاکستانیوں کی جانب سے قائم کردہ ٹرسٹ کی اپنی استطاعت کے مطابق

مالی معاونت کر سکتے ہیں۔ کسی میڈیکل کالج میں ایک یا دو قابل (Talented) غریب بچوں کے لئے اسکا لرشپ کا اہتمام کر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ غرض ایسے بہت سے طریقے آپ سوچ سکتے ہیں جن کے ذریعے آپ اپنے وطن کو فائدہ پہنچا سکیں۔ بات ارادہ اور ہمت کی ہے۔ راہیں خود نظر آئیں گی۔ اللہ پاک قرآن میں فرماتے ہیں:

”اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی، ہم اُن پر اپنی راہیں ضرور کھولیں گے۔ بے شک اللہ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

(سورۃ عنکبوت، آیت نمبر ۶۹)

لہذا حالیہ وقت کو غنیمت جانئے۔ یہ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ آپ کچھ اپنے وطن کے لئے، جہاں آپ پیدا ہوئے، پلے بڑے، جس سے آپ کو محبت ہے اگر کچھ کرنا چاہتے ہیں تو دیر نہ کیجئے۔ تاخیر (Procrastination) انسان کو اچھے کام اور اُس کے ثمرات سے محروم کر دیتی ہے۔ لہذا اس جانب کام شروع کر دیں۔ انشاء اللہ! اللہ راہیں ضرور دکھائے گا۔ اور جب کام شروع ہو جائے گا تب آپ کو احساس ہوگا کہ اللہ کس طرح آپ سے اپنے وطن کے لئے اہم کام لے رہا ہے۔ اور یوں باہر رہتے ہوئے بھی آپ اپنے وطن واپسی کا مجازی (Virtual) انتظام کر لیں گے۔ گو جسمانی طور پر نہیں کسی اور طریقہ پر۔

اللہ قرآن میں کہتے ہیں:

”اور ہر ایک کوشش کرنے والا اپنے ہی بھلے کو کوشش کرتا ہے۔ اور اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے جھاڑ دیں گے اور ضرور انہیں اُس کام کا بدلہ دیں گے جو اُن کے سب کاموں میں اچھا تھا۔“

(سورۃ عنکبوت، آیت ۶-۷)

## پیشہ ورانہ آزمائش

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”ہر امت کے لئے ایک آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی آزمائش مال ہے۔“

لہذا بحیثیت پیشہ ور کے ہمیں یہ بات مد نظر رکھنی چاہئے۔ اس لئے کہ مال کی آزمائش (Temptation) ہمارے ساتھ موجود ہے۔ بعض چیزیں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اللہ انہیں ہمارے قریب کر کے یہ جانچنا چاہتے ہیں کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ قرآن میں اللہ نے فرمایا:

”وہ (اللہ) جس نے موت اور زندگی بنائی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل بہتر ہے۔“ (سورۃ ملک، آیت نمبر ۲)

اسی طرح فرمایا:

”یقیناً جو کچھ سر و سامان بھی زمین پر ہے اُس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے، تاکہ انہیں آزمائیں کہ اُن میں سے کس کا عمل بہتر ہے۔“

(سورۃ کہف، آیت نمبر ۷)

جب یہ بات طے ہے کہ اللہ نے یہ دنیا ہمیں آزمانے کے لئے پیدا کی ہے تو ہمیں جان لینا چاہئے کہ ہمارے لئے بھی بحیثیت پیشہ ور ایسے حالات آئیں گے جہاں ہمارا رب ہمیں (Test) کریگا۔ لہذا ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہئے اور

جب اس طرح کے حالات آئیں تو ہمیں بہترین طریق پر عمل (Best perform) کرنا چاہیے۔

آپ کے پیشہ میں مالی ذرائع کا آپ کے قریب آنا، جنہیں آپ حاصل کر سکیں، ایک فطری بات ہے۔ اچھے بھی اور برے بھی، ہر طرح کے مال حاصل کرنے کے طریقے انسان کے قریب آتے ہیں اور پھر یہ انسان پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کن ذرائع سے مال حاصل کرتا ہے۔ یہ بہت سے Tests میں سے ایک Test ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”لوگو! اللہ سے ڈرو، اور حصولِ رزق میں اعتدال کا راستہ اختیار کرو۔ اس لئے کہ کوئی اُس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اپنی روزی پوری نہ کر لے، گو اس میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ لہذا اللہ سے ڈرو، اور روزی کے حصول میں اعتدال کا راستہ اختیار کرو۔ صرف وہی لوجو حلال ہو اور جو حرام ہو اُسے چھوڑ دو۔“

(ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۱۴۴)

اس لئے یہ انتہائی اہم ہو جاتا ہے کہ ہم بحیثیت پیشہ ور (اور یہ بات ہم سب کے لئے ہے) ایسے کسی بھی طریقے سے بچیں (Avoid کریں) جہاں کسی دوسرے کا مال اس طرح ہماری جیب میں پہنچے جو ہمارے لئے مناسب نہیں۔ ہر شعبہ زندگی کے لحاظ سے مال کی آزمائش مختلف ہے۔ بحیثیت پیشہ ور ہر کوئی جانتا ہے کہ اُس کے پیشے میں جائز اور ناجائز ذرائع کیا ہیں۔ ہمیں ان سے بچنے کی ضرورت ہے تاکہ کسی دوسرے کا مال ناحق ہمیں نہ مل جائے۔

یہ آواز کہ آیا میں ٹھیک کر رہا ہوں یا نہیں انسان کے اندر سے آتی ہے اور

بس یہی وہ وقت ہوتا ہے جب انسان کسی چیز کو برا سمجھتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کے نیکی اور برائی کے بارے میں سوال کے جواب میں فرمایا تھا:

”نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تمہیں اُس کا لوگوں کو پتا چلنا برا لگے۔“ (ترمذی، حدیث نمبر ۲۳۸۹)

لہذا جب بھی کسی ذریعے سے مال کے حصول کی خواہش (Temptation) ہو، دیکھ لیں کہ اُس کا لینا آپکے لئے صحیح ہے یا نہیں۔ آپ جو بھی کام اپنے طبی پیشہ سے متعلق کام کر رہے ہوں، چاہے دواؤں کا نسخہ لکھ رہے ہوں یا چاہے کسی مریض کو ہسپتال سے فارغ (Discharge) کر رہے ہوں، آپ نے اس بات کا بے حد خیال رکھنا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”خبردار ظلم نہ کرنا، کسی کے لئے کسی کا مال اُس کی دلی خوشی کے بغیر حلال نہیں۔“ (مسند احمد، حدیث نمبر ۱۱۱۰۵)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

”جب ہم کسی کو کسی کام پر مقرر کریں اور اُس کو اُس کا عوض دے دیں، تو پھر اُس کے علاوہ وہ کچھ لے تو یہ خیانت ہے۔“ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۹۴۳)

مریض معالج کو فیس ادا کرتا ہے۔ لہذا اُس نے اُس کے کام کا عوض اُس سے ادا کر دیا ہے۔ معالج کا اُس پر کسی اور طریقے سے مزید لینا قطعاً درست نہیں ہے۔

اللہ ہم سب کو اپنے پیشوں میں اُس مال سے جس کا لینا ہمارے لیے مناسب نہیں محفوظ رکھے، آمین۔

## اللہ کے قریب

انسان کے اندر یہ جستجو ہوتی ہے کہ وہ اپنے خالق کے بارے میں جانے۔ جب وہ دنیا اور کائنات پر نظر کرتا ہے، مختلف حالات و واقعات سے گزرتا ہے تو اُس کا ذہن اپنے رب کی طرف جاتا ہے۔ مگر زندگی کے شور شرابے میں اور کسبِ معاش میں تگ و دو کی بدولت وہ اس سے آگے نہیں جاتا۔

طب ایک ایسا شعبہ ہے جس کے پیشہ ور اپنے رب کی نشانیوں کو بڑے قریب سے دیکھ اور محسوس کر سکتے ہیں، اُن پر غور کر سکتے ہیں اور یوں اپنے رب کے قریب ہو سکتے ہیں۔

اللہ قرآن میں فرماتے ہیں:

”عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ یہی حق ہے۔ کیا تمہارے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز سے واقف و آگاہ ہے۔“

(سورۃ حم السجده، آیت نمبر ۵۳)

یعنی اللہ نے جو اس قدر اعلیٰ (Hi-Tech) انسان بنایا ہے، اُس کے جسمانی نظام پر ایک ڈاکٹر جب غور کرتا ہے تو وہ اپنے رب کے قریب ہو جاتا

ہے۔ مثلاً جب وہ یہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ نے اس جسم میں دل کے آپریشن کے لئے فاضل پُرزے (Spare) بھی رکھ دیئے ہیں تو اُس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ پکار اٹھتا ہے کہ اس کا رب وہ ہے جو ہر چیز کا بہترین خالق ہے اور جان جاتا ہے کہ اُس علیم وخبیر اللہ کو علم ہے کہ کیا کیا انسانی ضرورتیں سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ سامنے آئیں گی اور کس طرح انہیں رہتی دنیا تک پورا کرنا ہے۔

ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو انسانی جسم میں طبی ماہرین کی آنکھیں کھول دیتی ہیں اور وہ اللہ کی صناعی پردنگ رہ جاتے ہیں۔

قرآن میں اللہ فرماتے ہیں:

”برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔“

(سورۃ مومنون، آیت نمبر ۱۴)

اس طرح جب ڈاکٹر آپریشن تھیٹر میں کوئی بہت مشکل آپریشن کر رہا ہو جہاں وہ جانتا ہو کہ وہ صرف اپنی سی کوشش کر سکتا ہے اور صحت یابی صرف اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، جیسے چھلنی آنکھ (Perforated eye injury) کی صورت میں آنکھوں میں نور ڈالنا یا دماغ سے ٹیومر نکالنے کے بعد مریض کا دوبارہ دماغی طور پر تندرست ہونا یا ریڑھ کی ہڈی کا انتہائی پیچیدہ آپریشن ہونے کے بعد مریض کا دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا۔ اُس وقت وہ معالج اپنے رب کے بہت قریب ہو جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے کہ ”بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۲۷)

یہ وہ وقت ہوتا ہے جب ڈاکٹر خواتین و حضرات اپنے رب کی نشانیوں کو

قریب سے دیکھ لیتے ہیں اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے رب کے قریب ہوتے ہیں۔

لہذا گزارش ہے کہ اپنے پیشے کو اپنے رب سے قریب ہونے کا ذریعہ آپ بنا سکتے ہیں۔ مگر آپ غور نہ کریں تو سب سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہی کرشمہ نظر آئے گا اور ان کے پیچھے اتنی بڑی اور اعلیٰ طاقت و رذات اوجھل رہے گی۔

اللہ پاک فرماتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانوں سے غافل ہیں۔“

(سورۃ یونس، آیت ۹۲)

دیکھیں اللہ قرآن پاک میں ہمیں غور و فکر کی دعوت کس خوب انداز سے دے رہے ہیں:

”آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔“ (سورۃ ال عمران، آیت نمبر ۱۹۱-۱۹۰)

## طبی مہارت کے میدانِ زچگی و امراضِ نسواں (Gynaecology) کا انتخاب

ایم بی بی ایس کرنے کے بعد نئے ڈاکٹروں نے اپنی (Field of speciality) یعنی طبی میدانِ مہارت کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ مختلف عوامل (Factors) اس کے انتخاب (Selection) کی وجہ بنتے ہیں۔ ان میں سے ایک Speciality یعنی خصوصیت Gynaecology ہے۔ خواتین ڈاکٹرز سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اس میدان میں اپنی ہم جنسوں کی سہولت کے لئے آگے آئیں گی اور ایسا اب تک ہوتا بھی رہا ہے۔ مگر اس Field کی سختی، جیسے رات کو کسی بھی وقت مریض کے بچے کی پیدائش (Delivery)، آپریشن کے دوران گھنٹوں کھڑے رہنا اور چوبیس گھنٹے ہسپتال اور گھر پر مریضوں کے فون اور sms کی وجہ سے انتہائی درجے کی مصروفیت حالیہ دور میں انہیں اس Speciality میں آنے سے مانع ہو رہی ہے۔ لامحالہ یہ Speciality اُنکے مرد ساتھی ڈاکٹرز (Male Colleagues) کے ہاتھ میں جاتی نظر آرہی ہے۔ لہذا یہ ایک حساس مسئلہ ہے۔ میری اپنی خواتین ڈاکٹر بہنوں اور بیٹیوں سے گزارش ہے کہ

وہ پیچھے نہ رہیں۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے، اپنی قوم میں کسی بحران کے پیدا ہونے سے بچنے کے لئے آگے آئیں اور اس میدان کو خالی نہ چھوڑیں۔ آپ کی اساتذہ کئی دہائیوں سے اس شعبے میں محنت کر رہی ہیں۔ آپ بھی اس کے لئے کمر باندھیئے۔ ہمت کیجئے۔ مقصد بڑا ہو تو کام کے لئے توانائی اپنے اندر سے آتی ہے۔ آپ ہمت کریں، اللہ آپ کا ہاتھ پکڑے گا اور یہ انتہائی مشکل طبی میدانِ مہارت Gynaecology آپ کے لئے آسان کر دیگا اور اس کا آپ کو اجرِ عظیم دے گا۔

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ہم ضرور انکی خطائیں معاف کر دیں گے اور ضرور انہیں اس کام کا بدلہ دیں گے جو ان کے سب کاموں میں اچھا تھا۔“ (سورۃ عنکبوت، آیت ۷)

یہاں پر میں اپنے نوجوان ڈاکٹر بھائیوں کو کہوں گا کہ اگر آپ Gynaecology کی Speciality لینا چاہتے ہیں تو یہ ایک مشکل فیصلہ ہے۔ یقیناً کچھ عوامل ایسے ضرور ہونگے جن کے تحت آپ اس طرف آنا چاہتے ہیں۔ مگر بحیثیت پاکستانی میری کچھ گزارشات ہیں۔

ہمارا معاشرہ ایک مشرقی معاشرہ ہے۔ یہ خواتین کی بہت عزت کرتا ہے۔ اس لئے کہ خواتین کو اعلیٰ مقام ہمارے مذہب نے دیا ہے۔ چونکہ مجموعی طور پر مرد حضرات ہمارے معاشرے میں خواتین کی عزت کرتے ہیں اس لئے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان خواتین کی ہر شعبے میں عزت ہو اور یہی خواہش ان کی اپنی بیوی یا بیٹی کی زچگی اور اُنکے بچے کی پیدائش کے دوران بھی ہوتی ہے۔ لہذا یہ خیال ان کے لئے خوش کن نہ ہوگا کہ اپنے بچے کی ولادت کے دوران ان کی خاتون کسی مرد ڈاکٹر کا سہارا

لیں۔ اس میں پڑھے لکھے اور غیر پڑھے لکھے سب شامل ہیں۔ میری ناقص رائے میں آپ کو اس شعبے (Speciality) کو منتخب کرتے وقت اس پر خوب غور کرنا چاہئے۔ آپ کا فیصلہ آپ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے نفسیاتی اثرات میں معاشرے کے مرد اور خواتین سب شامل ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:-

”جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی دوسروں کے لئے پسند کرو اور جسے اپنے لئے پسند نہیں کرتے، اسے دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔“ (مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۴۸)

چونکہ آپ اس speciality کو لینے کا فیصلہ کرتے وقت اسے خالصتاً ایک طبی پیشہ ورانہ فیصلے کے طور پر لیتے ہیں، لہذا اس شعبے کا انتخاب آپ کو عجیب معلوم نہیں ہوتا۔ مگر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جو اقدام معاشرے پر من حیث القوم اثرات ڈالتے ہیں، ان میں فیصلہ کرتے وقت ان سے جڑے عوامل (Factors) کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ ”ہر دین کی ایک خاص صفت ہوتی ہے اور اسلام کی صفت حیا ہے۔“ (مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۵۰۹۰)

آپ کو اس فیصلے کے وقت یہ بھی دیکھنا مناسب ہوگا کہ آپ کا دین اس باب میں آپ کی کیا رہنمائی کر رہا ہے۔

”اور (مومنات) اپنی زینت کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے یا اپنے والد کے، یا اپنے سسر کے، یا اپنے بیٹوں کے، یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا

اپنی میل جول کی عورتوں کے یا اپنے غلاموں کے یا تابع رہنے والے مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں یا اُن بچوں کے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوں۔ اور اے مومنو! تم سب مل کر اللہ کی طرف توجہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

(سورۃ نور، آیت نمبر ۳۱)

در اصل جب آپ یہ Field of speciality منتخب کرنے جا رہے ہیں تو آپ کے پیش نظر یہ ہے کہ یہ طب کا شعبہ ہے اور چونکہ اس میں مریض کی بے پردگی طبی لحاظ سے ہے اس لئے اس میں قباحت نہیں۔ میرے خیال میں یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ (This is not that simple)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے کچھ حدیں مقرر کی ہیں۔ اضطراری کیفیت میں جب یہ Follow نہ ہو سکیں تو گنجائش بھی رکھی ہے۔ میرا غالب گمان ہے کہ امریکہ کی کسی سٹیٹ میں جہاں کوئی فیمیل Gynaecologist میسر نہ ہو یا دسترس میں نہ ہو، دایاؤں کا بھی انتظام نہ ہو جو گھر پر ہی Delivery کر سکیں تو ہو سکتا ہے کہ پھر Delivery کسی مرد ڈاکٹر کے زیر نگرانی ہی ہو پائے۔ مگر پاکستان میں اس پر اضطراری کیفیت کی منطق لگانا شاید مناسب نہ ہو۔

آپ کا ارشاد ہے:-

”حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، جبکہ اُن دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں۔ بہت سے لوگ انہیں نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو شخص شبہات میں مبتلا ہو گیا تو وہ حرام میں مبتلا ہو گیا، جیسے وہ چرواہا جو (اپنا ریوڑ) (ممنوع) چراگاہ کے آس پاس چراتا ہے،

تو قریب ہے کہ وہ اس (چراگاہ) میں چرائے گا۔ سن لو! بے شک ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے، سن لو! بے شک اللہ کی چراگاہ اسکی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سن لو! جسم میں ایک لوٹھڑا ہے، جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے، اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، یاد رکھو! وہ دل ہے۔“

(مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۶۲۷۷)

ذرا سوچئے! جو شخص کوئیں کی منڈھیر پر بیٹھے گا، بہت امکان ہے کہ وہ کبھی

اس میں گر بھی جائے۔

اپنے اوپر یقین (Confidence) اچھی بات ہے کہ آپ سوچیں کہ میں مریض کی زچگی کے دوران منفی خیالات سے اپنے آپ کو بچاؤں گا۔ مگر کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ اپنے آپ کو اس Test ہی میں نہ ڈالیں۔ اس لئے کہ اللہ فرماتے ہیں:

”اور انسان کمزور بنایا گیا ہے۔“ (سورۃ نساء، آیت ۲۸)

لہذا اطمینان سے سارے عوامل سامنے رکھ کر، خوب غور و خوض کے بعد کوئی فیصلہ کیجئے۔ اس لئے کہ حیاء مریض کے لئے بھی اچھی ہے اور معالج کے لئے بھی۔

آپ کا ارشاد ہے کہ ”حیا خیر ہی لاتی ہے۔“ (مسلم حدیث، نمبر ۱۵۶)

اللہ پاک فرماتے ہیں:

”اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کر دے اور تمہیں اُن لوگوں کی راہوں پر چلائے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں اور تمہارے اوپر رحمت کے ساتھ رجوع فرمائے، اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔“ (سورۃ نساء، آیت ۲۶)

## حصہ دوم

(گزشتہ کتب سے منتخب مضامین)

## بہترین اجیر (BEST EMPLOYEE)

بحیثیت کسی ادارے یا کمپنی کے کارندے کے ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہم عمدہ کارکردگی دکھائیں۔ یعنی اپنے آپ کو بہترین اجیر ثابت کریں۔ ہم نے یقیناً سوچا ہوگا کہ بہترین ہونے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے۔ ہمارے ذہن میں اطاعت گزاری کا لفظ آیا ہوگا۔ یا ہم نے سوچا ہوگا کہ دن رات ایک کر دیا جائے تو بہترین بنا جاسکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

آئیے دیکھیں قرآن شریف بہترین اجیر یا کارندے کو کیسے بیان کرتا ہے۔ یہ قصہ ہے حضرت موسیٰ کا جو آپ نے بارہا سنا ہوگا۔ جب آپ مصری کے قتل کے بعد مدین کی طرف روانہ ہوئے تو وہاں آپ نے دو لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ جو گاؤں والوں کی بکریوں کے پانی پینے کی وجہ سے اپنی بکریوں کو روکے کھڑی تھیں۔ جب آپ کی ملاقات ان کے والد سے ہوئی، تو ان میں سے ایک لڑکی نے اپنے والد کو جو بہترین اجیر کی تعریف سنائی اور آپ کو اجرت پر رکھنے کی سفارش کی، وہ تعریف اس قدر مدلل، جامع، قابل عمل اور ناقابل تردید ہے کہ قرآن میں اللہ نے اس کو اپنے

کلام کا حصہ بنا لیا۔ اُس لڑکی نے کہا تھا:

”بہترین اُجرت پر کام کرنے والا (بہترین اجیر Best Employee) وہ

ہے جو طاقور اور امانت دار ہو۔“ (سورۃ قصص، آیت نمبر ۲۶)

یعنی قرآن کے الفاظ میں قوی اور امین۔ سبحان اللہ! دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ اب یہ دو خصوصیات لیجئے اور اپنی گزشتہ پیشہ ورانہ زندگی پر نظر ڈالئے۔ اپنے اُن افسران اور ماتحتوں کے متعلق غور کیجئے جن سے آپ کا سابقہ رہا۔ آپ کو جو اپنے کام میں بہترین نظر آئے گا وہ یقیناً ان دو صفات کا حامل ہوگا۔

ذرا سوچئے جب ہم صبح اپنے دفتر آ رہے ہوتے ہیں تو کیا ہمارے ذہن میں نہیں ہوتا کہ اگر میں یہ کام فلاں ماتحت کو دوں گا تو بے فکر ہو جاؤں گا۔ کیونکہ وہ کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یعنی اُسے اپنا کام آتا ہے اور کام کروا بھی سکتا ہے۔ یعنی قوی ہے اور دوسرا خیال یہ آتا ہے کہ ڈنڈی نہیں مارے گا۔ امانت دار ہے۔ کام پوری دیانتداری سے کریگا۔ کوئی جزئیات رہ نہ جائیں گی اور تمام ذرائع کو امانت سمجھتے ہوئے، انہیں بروئے کار لا کر مناسب ترین طریقے سے کام کر دیگا۔ کیونکہ وہ امین یعنی امانت دار ہونے کی صفت سے متصف ہے۔

کیا اس طرح نہیں ہے؟ بالکل ایسا ہی ہے۔ کیوں کہ یہ قرآن میں فرمائی ہوئی بات ہے اور اللہ قرآن میں فرماتے ہیں کہ لا تبدیل لکلمات اللہ یعنی ”اللہ کی باتیں تبدیل نہیں ہوتیں۔“

ایک بہترین اجیر یا کارندہ جو ان دو صفات سے متصف ہو، وہ آپ کی تمام تر

پریشانیوں کا حل بن جاتا ہے۔ آپ کو دفتر میں نچلی سطح پر مسائل کا سامنا نہیں ہوتا اور آپ اُس کے ذمے کام سپرد کر کے اپنے آپ کو دوسرے اہم کاموں کے لیے فارغ کر لیتے ہیں۔ وہ اپنی سطح پر ہر کام بھرپور انداز سے امانت سمجھ کر کرتا ہے۔ اس کے زیرِ انتظام جو کچھ ہوتا ہے وہ اُس کا امین ہوتا ہے۔ ایک چپراسی یا خا کروب سے لے کر اپنے تمام ماتحتوں کو جب وہ امانت سمجھتا ہے تو مختلف قسم کے مسائل آپ کے لئے جنم ہی نہیں لیتے۔ اسی طرح کمپنی کا مال، ذرائع، وقت اور اندرونی راز سب اُس کی نظر میں امانت ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے امین ہونے کی خصلت کی بدولت آپ کو ہر قسم کے مسائل اور فکروں سے آزاد کر دیتا ہے۔ جن کا آپ کو یقیناً سامنا ہوتا اگر وہ امانت دار نہ ہوتا۔ اسی طرح قوی ہونے کی بدولت اُسے کام آتا بھی ہے، کر بھی سکتا ہے اور کروا بھی سکتا ہے۔ سبحان اللہ! بس اور کیا چاہیے۔

یہ دو خصوصیات ایسی ہیں کہ اگر آپ کے ماتحت میں ہوں، چاہے آپ سیٹھ ہوں، کسی ملٹی نیشنل کمپنی کے سربراہ ہوں یا اپنی دکان چلاتے ہوں، بے فکر ہو جائیے اور دیکھئے کہ کیسے آپ کے کام خوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا کارندہ قوی اور امین ہے۔

ہمیں چاہیے کہ بحیثیتِ اجیر یا کارندہ کے ہم اپنے اندر یہ دو جوہر پیدا کریں۔  
فطرتاً یہ ہم میں موجود ہیں۔ ہمیں صرف ان کو مد نظر رکھ کر ان کی نشوونما کرنی ہے۔  
تا کہ ہم ان دو صفات سے خاطر خواہ مستفید ہو سکیں۔

امانت کی صفت کا ذکر ہوتو میرے ذہن میں آپ ﷺ کی حدیث آتی ہے

کہ ”ہر اُمت کے لیے ایک آزمائش ہوتی ہے اور میری اُمت کی آزمائش مال ہے۔“  
 ہمیں امانتداری کا بے حد خیال رکھنا ہے۔ اپنے ادارے یا کمپنی کے مالی  
 ذرائع کو امانت سمجھ کر خرچ کرنا ہے۔ ہمیں جب بھی اُنہیں استعمال کرنا ہو، ہم نے  
 اپنے آپ سے سوال پوچھنا ہے کہ کیا میں جلد بازی میں ضرورت سے زیادہ ادائیگی تو  
 نہیں کر رہا؟ اگر یہ میرا اپنا مال ہوتا تو کیا میں اس قدر مالی ادائیگی کا فیصلہ کرتا وغیرہ۔  
 اسی طرح کمپنی میں اپنے وقت کو بھی امانت سمجھیں۔

دوسری طرف ہم نے اپنے اندر قوی ہونے کی صفت کو پروان چڑھانا ہے۔  
 چونکہ ہمیں اپنا کام آتا ہے اور ہم کر بھی رہے ہیں لہذا ہم کسی نہ کسی درجے میں قوی  
 ضرور ہیں۔ ہمیں صرف اس صفت کو بہتر بنانا ہے۔ جہاں اضافی وقت لگانے کی  
 ضرورت ہے وہاں لگانا ہے۔ پوری تندہی اور توانائی یعنی قوت کے ساتھ اپنا کام کرنا  
 ہے۔ قوی وہ ہے جو کام پورا کرے اور وقت پر کرے۔ اُسے ہی آپ قوی کہیں گے۔  
 اس مضمون میں بہترین اجیر یا کارندہ کی دو لازمی صفات کا ذکر کیا گیا ہے،  
 یعنی قوی اور امین۔ آئیے عہد کریں کہ ہم ان دو صفات کو جو ہم سب میں کسی نہ کسی  
 درجے کی ہیں پروان چڑھائیں گے تاکہ ہم ایک بہترین اجیر (امپلائے) بن سکیں۔

## کام پر مزاحمتی ماحول کا حل

ہر پڑھے لکھے سمجھدار شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کام کر کے طمانیت بھی ہو اور کام بوجھ بھی نہ لگے۔ مگر دفتر کا ماحول اکثر آپ کو یہ طمانیت یعنی جاب سیٹیفیکیشن (Job Satisfaction) حاصل ہونے نہیں دیتا۔ اپنی جاب پر مختلف حالات و واقعات آپ کو مزاحمت (Resistance) کے ماحول سے دوچار کیے رہتے ہیں۔ یوں آپ نہ ہی اپنا کام کر کے لطف اندوز ہو پاتے ہیں اور نہ ہی خوش رہتے ہیں۔ تو پھر کیا کریں؟ اقبال کہتے ہیں:

ع اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

لہذا اس صورت حال کا جائزہ لیں۔ اُن وجوہات پر غور کریں جو آپ کے کام پر مزاحمت کی وجہ بن رہے ہیں۔ مثلاً آپ کے افسر بالا کا رویہ، آپ کے ساتھ کام کرنے والے (ہم کار) یعنی کولیگ کی بد مزاجی، کاموں میں مختلف قسم کی رکاوٹیں وغیرہ۔ جائزہ لیتے وقت یہ یقین رکھیں کہ ہر مسئلے کا حل موجود ہے، جیسے کہ حدیث شریف ہے ”اللہ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری جس کی شفاء بھی نہ اتاری ہو“۔ اسی طرح قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا حل نہ ہو۔ معاملہ صرف اُس حل کو ڈھونڈ نکالنے کا ہے۔

چنانچہ جب آپ وہ وجوہات ڈھونڈ نکالیں، جن سے آپ کو اپنے کام پر دل کی اطمینان نصیب نہیں ہو رہا، تو پھر ایک ایک کر کے ان کے حل کا سوچیں۔ بیماری کے علاج کے لیے معالج کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا تذکرہ کریں یعنی اپنے مسئلے پر کسی منجھے ہوئے ساتھی سے تبادلہ خیال کریں یا پھر ڈیل کار نیگی یا اسٹیفن کووی کی کوئی کتاب پڑھیں۔ یاد رکھیں ہر مسئلے کا حل ہے۔

مسائل کا جائزہ لیتے وقت یہ دیکھیں کہ افسر بالا کا سخت رویہ ساتھی (کولیگ) کی بدمزاجی یا کاموں میں رکاوٹ کیوں ہے؟ آپ خود کس حد تک اس کے ذمے دار ہیں۔ مثلاً کیا آپ وہ کر رہے ہیں جو افسر بالا آپ سے اُمید کرتا ہے۔ کیا ساتھی (کولیگ) کے ساتھ آپ کا اپنا رویہ درست ہے۔ اللہ تعالیٰ تو سورۃ لحم سجدہ، آیت نمبر ۳۴ میں فرماتے ہیں ”بھلائی اور برائی برابر نہیں تو تم برائی کا بدلہ اچھائی سے دو، پھر جس میں تم میں دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گاڑھا دوست“۔

اللہ کی فرمائی ہوئی بات غلط نہیں ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ہر وہ بات جو آپ کو کام (جواب) پر پریشان کر رہی ہے اُس کی تہہ تک پہنچیں اور پھر دیکھیں کہ آپ کس حد تک اُسے درست کر سکتے ہیں۔

مثلاً افسر بالا کا چڑچڑاپن آپ کے ساتھ۔ اس کے لیے آپ اپنے آپ کو ٹٹولیں کہ کس حد تک آپ اس کو ہوا دیتے ہیں۔ جیسے، کہیں سنجیدہ گفتگو ہو رہی ہو تو آپ موقع محل سے ہٹ کر تو کوئی بات نہیں کرتے؟ یا جب آپ کا افسر چھٹی کرنے والا ہو تو آپ کوئی مسئلہ لے کر اس کے پاس تو نہیں پہنچتے۔ وہ جب کسی وقت آپ کی موجودگی نہ

چاہتا ہو تو آپ وہاں براجمان تو نہیں رہتے؟ کیا آپ اُس کی مخالفت تو نہیں کرتے جبکہ ایک حدیث شریف ہمیں یہ بتاتی ہے کہ بات سننا اور ماننا ضروری ہے۔ بشرطیکہ کوئی گناہ کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ اسی طرح اپنا جائزہ ہر معاملے میں لیں۔ یاد رکھیں! اپنی غلطی ماننے والے ہی اُسے درست کر سکتے ہیں۔ جس شخص کو اپنی غلطی کا پتہ ہی نہ چلے اُس نے کیا درستگی کرنی ہے۔

یہاں پر میری یہ مراد نہیں کہ کام پر تمام تر مسائل کے آپ خود ذمہ دار ہیں۔ ہرگز نہیں۔ مگر یہ ضرور دیکھیں کہ کتنے فیصد یعنی کس حد تک۔ جب اس بات تک پہنچ جائیں تو پھر اُس کا مداوا کرنے کی کوشش کریں۔ مراد یہ ہے کہ اپنی حتی الامکان کوشش کریں۔ آگے دعا کریں اور کوشش جاری رکھیں۔

معاشرے میں چاہے ہم کہیں ہوں، قرآن کے الفاظ میں ”ادْفَعِ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ (یعنی برائی کا بدلہ اچھائی سے دو) سے زیادہ مؤثر کوئی دوا نہیں۔ مگر شرط ہے کہ اس نسخے کو آزما کر دیکھا جائے۔

یہاں پر ہم کام پر مزاحمت (Resistance faced at job) کی کچھ مثالیں نقل کریں گے۔ اور دیکھیں گے کہ کس طرح ایک شخص اپنے کام پر حالات کو اپنے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ اور اُسے کام پر کسی قسم کی مزاحمت محسوس نہیں ہوتی۔ آئیے اسے پڑھتے ہیں۔

## کام پر مزاحمت کا حل

نجمہ ایک سکول میں استانی ہے۔ پڑھی لکھی اور قابل، محنتی اور ہر کام اچھی طرح کرنے کی قائل۔ وقت پر آنا اور وقت سے پہلے نہ جانا اُس کا اصول ہے۔ پڑھائی اس کی فطرت میں رچی بسی ہے اور دوسروں کو پڑھانا اس کی خواہش۔ مگر وہ ان سب اچھائیوں کے باوجود اپنے کام پر خوش نہیں ہے۔ وہ خوشگوار ماحول میں کام کرنا چاہتی ہے، مگر چھتے ہوئے جملے اسے ایسا کرنے نہیں دیتے۔ سوال یہ ہے کہ نجمہ پڑھانے کی موزوں خصوصیات کے باوجود بھی اپنے کام پر مزاحمت کیوں محسوس کرتی ہے؟ آخر ایسا کیوں ہے؟

فاضل انتہائی محنتی کلرک ہے۔ وہ حال ہی میں نئے ادارے میں بھرتی ہوا ہے۔ آگے بڑھنے کے عزم سے پُر یہ جوان خوشگوار ماحول چاہتا ہے۔ اپنے افسر کی بات مان کر اُن کا دل جیتنے کا خواشمند یہ جوان اب اپنے کام پر مزاحمت محسوس کرنے لگا ہے۔ ساتھ کام کرنے والوں سے خائف ہوتا جا رہا ہے۔ ویسے تو ہنس کر باتیں سنتا ہے، مگر دل میں سوچتا ہے کہ بات کرنے والے کا اس بات سے کیا مطلب ہے۔ کیا اُس کی ٹانگ کھینچنے کی تیاری تو نہیں ہو رہی۔ کیا اُس کے ساتھی اُس کی محنت سے خائف ہیں؟ کیا وہ اُسے آگے بڑھتا نہیں دیکھنا چاہتے؟ سوال یہ ہے کہ آخر کام پر مزاحمت کیوں محسوس ہونے لگی ہے؟

اقبال ایک نائب قاصد ہے۔ آج تک اپنے افسر کے کسی حکم کا اس نے انکار نہیں کیا۔ وہ ہر کام دوڑ کر کرتا ہے۔ کوشش میں ہوتا ہے کہ صاحب کے اشارے

سے بھی پہلے اُن کا کام کر دے۔ مگر وہ اپنے ساتھی نائب قاصدوں سے خوش نہیں۔ اُس کی اُن سے نہیں بنتی۔ ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اس پر کوئی جملہ نہ کس دے۔ بس یہ کام پر مزاحمت اُس کو افسردہ کیے دیتی ہے۔ آخر سخت محنت اور اطاعت گزاری کے باوجود وہ قلبی اطمینان جس کی وہ خواہش کرتا ہے اُس کو کیوں میسر نہیں آ رہا۔ سوال یہ ہے کہ آخر کام پر مزاحمت کیوں ہے؟

ان سب کے برعکس بشیر ایک لیکچرار ہے، اپنے کام سے مطمئن اور خوش۔ وہ کسی قسم کی مخالفت محسوس نہیں کرتا۔ اپنا کام لگن سے کرتا ہے۔ نجمہ کی طرح وقت پر آتا ہے اور وقت پر جاتا ہے۔ جیسے نجمہ کو پڑھانے سے لگاؤ ہے، بشیر بھی پڑھانے کا اتنا ہی شوق (Passion) رکھتا ہے۔ فاضل کی طرح محنتی اور پُر عزم۔ اقبال کی طرح اپنے افسران کو نہ نہیں کہنے والا۔ نجمہ، فاضل اور اقبال کی طرح اچھے ماحول اور دل کے اطمینان کا خواہشمند یہ نوجوان اپنی خواہش کی تکمیل بھی پارا ہے اور اسے کام پر کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا بھی نہیں ہے۔

آئیے دیکھیں کہ وہ کیا بات ہے جو بشیر میں ہے اور دوسروں میں نہیں۔ یہ دیکھنے کے لیے ہمیں بشیر کے ساتھ کچھ وقت گزارنا ہوگا۔ آئیے ہم ڈگری کالج اسلام آباد چلتے ہیں جہاں بشیر لیکچرار ہے۔

آج صبح بشیر وقت پر پہنچ گیا جیسا کہ اُس کے روزمرہ کا معمول ہے۔ اُس نے لیکچر رات کو ہی تیار کر لیا تھا۔ اس وقت سوا آٹھ بجنے کو ہیں۔ لیکچر شروع ہوا چاہتا ہے۔ بشیر کلاس میں آچکا ہے۔ اس نے حاضری لینے کے بعد مسکرا کر طالب علموں کی

جانب دیکھا، اُن سے ایک آدھ عمومی بات کر کے ماحول کو اپنی طرف متوجہ کیا اور لیکچر دے دیا۔ لیکچر کے اختتام پر کلاس بھی خوش اور بشیر بھی مطمئن۔ اس وقت بشیر اسٹاف روم میں ہے۔ پرنسپل صاحب سے باقی اساتذہ بھاگتے ہیں لہذا ان کے سامنے آنے سے کتراتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ بد مزاج ہیں یا ان میں کوئی خرابی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ کوئی کام نہ دے دیں۔ بشیر اُن سے نہیں بھاگتا۔ اسے پرنسپل صاحب کی طرف سے مختلف کام ملتے ہیں اور وہ سب بخوبی پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔

بہترین لیکچرار ایوارڈ کے لیے لیکچرار کی سالانہ نامزدگی ہونے والی ہے۔ بشیر کو اندازہ ہے کہ کالج میں اور بھی اچھے لیکچرار ہیں اور کوئی بھی بشمول اُس کے اس ایوارڈ کا اہل قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے باوجود اُس کا اُن تمام لیکچرار سے کوئی ٹکراؤ نہیں۔ نہ وہ اس پر جملے کستے ہیں، نہ بشیر انہیں رقیب محسوس کرتا ہے۔ اسٹاف روم اُس کے لیے خوشگوار ماحول کا حامل ہے۔ اسے کسی قسم کا خوف نہیں، نہ ٹانگ کھینچنے جانے کا اور نہ ایوارڈ کے ہاتھ سے نکلنے کا۔ آخر یہ سب کچھ بشیر کو کیسے حاصل ہے؟ محنت اور لگن میں پاکستان کے دوسرے محنت اور لگن سے کام کرنے والے اُس سے پیچھے نہیں۔ کتنی ہی نجمہ ہیں اُستائیاں، اور کتنے ہی فاضل ہیں کلرک، اور کتنے ہی اقبال ہیں نائب قاصد جو اپنا اپنا کام محنت اور لگن سے کرتے ہیں مگر وہ بشیر کی طرح مطمئن، خوش اور کامیاب نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ بشیر اپنے کام یعنی اپنی جاب کو کام نہیں سمجھتا بلکہ سمجھتا ہے کہ یہ دنیا ایک بہت بڑی تصویر کی مانند ہے جس کے نظام زندگی کا وہ بھی ایک

حصہ ہے۔ اُس کو قدرت نے پڑھانے کا کام سونپا ہے۔ جس طرح آدمی زندہ رہنے کے لیے کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے، اُسی طرح اپنی جاب پر آکر کام کرتا ہے۔ جس طرح آدمی اچھی طرح پیٹ بھر کر کھانے کی کوشش کرتا ہے، بھرپور نیند لینے کی کوشش کرتا ہے اور باقی معمول کی زندگی اچھی طرح گزارنے کی کوشش کرتا ہے، اُسی طرح اُسے کام (جاب) پر بھی کام کو اچھی طرح ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس طرح وہ اپنا چھوٹا سا کردار اس وسیع و عریض دنیا میں بخوبی ادا کر سکتا ہے۔ اور اسی کردار کے ادا کرنے کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

بشیر نئے کام کے ملنے سے نہیں بھاگتا، لہذا پرنسپل صاحب سے چھپتا نہیں ہے۔ بلکہ اسے یقین ہے کہ اس دنیا کی ہر شے ایک میزان پر قائم ہے، اگر ایسا نہ ہو تو نظام زندگی درہم برہم ہو جائے، ستارے آپس میں ٹکرا جائیں، سب کچھ تباہ ہو جائے۔ تو جب اتنی بڑی کائنات میں ہر شے اتنا ہی کام کرتی ہے جتنا اس کے ذمے ہے، نہ اُس سے کم اور نہ ہی اُس سے زیادہ، تو وہ بھی اس کائنات کا ایک پرزہ ہونے کی وجہ سے خود چاہے بھی تو اپنے کام سے زیادہ جو قدرت نے اُس سے لینا ہے نہیں کر سکتا۔ تو پھر کاموں سے بھاگنا کیسا؟ جو کام آنے ہیں، وہ آئیں گے اور جو کام نہیں آنے وہ پرنسپل صاحب چاہتے ہوئے بھی اُسے نہیں دے سکتے۔ دوسرے یہ کہ چونکہ ہر چیز میزان میں ہے لہذا اگر کوئی نیا کام سونپا گیا تو خود بخود معمول کا کوئی کام کم ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے لیکچر کم ہو جائیں یا ایسے لیکچر دینے کا وقت آجائے جن کو تیار کرنے کے لیے زیادہ وقت درکار نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ مگر ایک خاص حد سے زیادہ کبھی کام آہی

نہیں سکتا، کیونکہ ہر چیز میزان میں ہے۔ اس سوچ کی وجہ سے وہ مطمئن ہے اور نئے کام سونپے جانے کا اس کو کوئی خوف نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

”اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر“ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۸۶)

تیسری بات یہ ہے کہ بشیر اپنے لیکچر کو خوش اسلوبی سے تیار کرتا ہے۔ اپنا کام اچھی طرح کرنا چاہتا ہے۔ اُس کے سامنے یہ مقصد ہے کہ لیکچر صحیح طرح ہو اور اُس سے طالب علموں کو فائدہ ہو۔ اُس کو تعریف کی نہیں، اپنا کام اچھی طرح کرنے کی فکر ہے۔ چونکہ اُس کا کام اچھا ہوتا ہے اس لیے اُس کی تعریف از خود ہو جاتی ہے۔ اُس کا مقصد اپنا کام اچھی طرح کرنا ہے۔ وہ سونپے گئے کام کو بری طرح نہیں کرنا چاہتا۔ مقصد تعریف نہیں یا کسی منصب کی طلب نہیں بلکہ یہ سوچ ہے کہ اپنے ذمہ کا کام اچھی طرح انجام پا جائے۔

چونکہ بشیر کا مطمع نظر کچھ اور ہے لہذا ساتھی لیکچر اور کی جانب سے مزاحمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس دوڑ میں وہ نہیں ہے اُس دوڑ کی حدت (Heat) اور مزاحمت (Resistance) اُسے کیسے محسوس ہو سکتی ہے۔ مزاحمت تو اُس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص مخالف سمت چلتا ہے، دوڑتا ہے یا کسی سے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ اگر وہ یہ تینوں کام نہ کرے تو مزاحمت کیسے ہو سکتی ہے۔ نیوٹن کا قانون کہتا ہے کہ (To every action there is equal and opposite reaction) یعنی ہر عمل کا ردِ عمل یکساں اور مخالف ہوتا ہے۔ لہذا جب عمل کی سمت ہی وہ نہیں جو باقی

ساتھیوں (Colleagues) کیخلاف ہو تو پھر مزاحمت کیسی؟ لہذا بشیر اپنے پیشے میں خوش اور کامیاب ہے۔ بہترین لیکچرار کا اعزاز (Award) بھی اس سال پاکستان ہے اور بغیر کسی مزاحمت کے اپنا کام بھی کر رہا ہے۔ دراصل فرق صرف یہ ہے کہ مطمع نظر بہترین لیکچرار کے اعزاز (Award) کا حصول نہیں بلکہ اچھی طرح لیکچر دینے کی کوشش اور خواہش ہے۔ دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ ذرا سوچ کر دیکھیں۔ ایک سمت A سے Z کی طرف جا رہی ہے۔ دوسری سمت Z سے A کی طرف۔ کونسی درست ہے؟ A سے Z کی طرف جانے والی یا Z سے A کی طرف آنے والی؟ Z پر Award رکھا ہے۔ Award کا سوچ کر یعنی Z سے پیچھے کی طرف چلیں گے تو مزاحمت تو ہوگی۔ زر ABC لٹی Z سے پڑھ کر دیکھیں۔ مشکل ہوتی ہے نا؟ بشیر جانتا ہے A سے Z تک پڑھنا آسان ہے۔ A سے پڑھنا شروع کرے گا تو Z تک پہنچ ہی جائے گا۔ اور Z پر Award رکھا ہے اور یوں Award بھی مل جائیگا۔ مگر پہلے Z کا سوچے گا یعنی Award کا اور پھر سفر شروع کریگا تو مزاحمت تو ہوگی۔ یعنی جب مقصد طالب علموں کو اچھی طرح علم منتقل کرنا نہ ہوگا بلکہ Award کا حصول ہوگا۔

اب اس پوری صورتحال کا جائزہ لیں۔ دفتر میں اپنے کام کو کام نہ سمجھیں۔ یعنی مجبوری نہ سمجھیں۔ کیا آپ کھانا کھانے کو اور گھر جانے کو بھی مجبوری سمجھتے ہیں؟ اگر نہیں تو دفتری کام کو بھی ایسا نہ سمجھیں۔ جس طرح کھانے پینے کو، سونے جاگنے کو، گھر والوں کے ساتھ وقت گزارنے کو، اُن کے ساتھ باہر جانے کو، خوش ہونے کو، خوش کرنے کو مجبوری نہیں سمجھتے، اُسی طرح اپنی ڈیوٹی کو دفتری کام کو مجبوری نہ سمجھیں۔

جس طرح زندہ رہنے کے لیے کچھ کام ہیں مثلاً کھانا پینا، سونا جاگنا، بولنا وغیرہ اسی طرح آپ کو کائنات میں رہنے کے لیے کچھ کام سونپا گیا ہے۔ آپ لیکچرار ہیں، اُستاد ہیں، مالی ہیں، کسی کمپنی کے سربراہ ہیں یا کوئی سرکاری ملازم یا گھریلو خاتون، آپ کے ذمہ جو کام لگایا گیا ہے وہ خاص آپ کا کام ہے جیسے کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا آپ کا کام ہے۔ جس طرح یہ سب کام آپ اچھی طرح کرتے ہیں، اُسی طرح اپنے دفتر میں اور گھر میں اپنی ذمہ داری بھی اچھی طرح ادا کرنے کی کوشش کریں۔

نئے کام سے نہ بھاگیں۔ جو کام قدرت نے آپ کے ذمے نہیں لکھا وہ کوئی افسر نہیں دے سکتا۔ اور جو لکھا ہے اس سے بھاگنا کم فہمی ہے۔ یاد رکھیں کائنات میں توازن (Equilibrium) ہے۔ نیا کام آئے گا تو معمول کے کاموں میں آسانی (Relaxation) بھی ساتھ آئیگی۔

مطمئن نظر اپنے کام کو اچھی طرح انجام دینے کا رکھیں۔ اُس کے کرنے پر جو ستائش یا اعزاز (Award) ہے اُس کا نہیں۔ ساتھ کام کرنے والوں کی طرف سے مزاحمت یعنی (Collegial Resistance) از خود ختم ہو جائیگی اور اعزاز (Award) بھی مل جائیگا۔

آپ دیکھیں گے کہ آپ کی نوکری کُل و گلزار ہوگئی ہے۔ یعنی کام پر کوئی مزاحمت نہیں (No Resistance at Job)۔

## ہمیں کیوں پیدا کیا گیا؟

انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس کی حیثیت ایک بہت بڑے مقصد کی تکمیل میں ایک کاوش کی ہوتی ہے۔ گویا وہ اللہ رب العزت کی اس عظیم کائنات کو تشکیل کرنے کے مقصد میں ایک کردار کا حامل ہوتا ہے۔

گویا بحرِ بیکراں میں ایک چلو بھر پانی کے برابر۔

یا عظیم عمارت میں ایک چھوٹی سی اینٹ۔

یا پھر دشت میں ریت کا ایک ذرہ۔

گو دیکھنے میں انسان کی حقیقت اتنی حقیر ہے مگر فی الواقع دیکھا جائے تو بہت بڑی ہے۔ کیونکہ دیکھا جائے تو کیا چلو بھر پانی بذات خود سمندر کا حصہ نہیں؟ یا ایک چھوٹی سی اینٹ بذات خود عمارت کا حصہ نہیں؟ چونکہ یہ چیزیں حقیر ہونے کے باوجود بذات خود عظیم چیزوں کا حصہ ہیں لہذا ان کی اپنی حیثیتِ حجم یا مقدار چھوٹی ہونے کے باوجود مُسَلَّم ہے۔ اور اگر دیکھا جائے تو بہت بڑی ہے۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوں تو جن چیزوں کا یہ حصہ ہیں وہ مکمل نہ ہو سکیں۔ لہذا ہر انسان کی حیثیت اس کائنات میں معمولی نہیں بلکہ بہت اہم ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس عظیم حیثیت کے حامل انسان کا کیا کوئی معمولی مقصد ہو

سکتا ہے؟ بس دنیا میں آئے، پلے بڑے جوان ہوئے، کمائی پر لگے، شادی ہوئی، بچے ہوئے اور پھر اسی طرح زندگی گزار کر موت کی آغوش میں چلے گئے۔ ہرگز نہیں! اس انسان کی پیدائش کا مقصد اتنا معمولی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ کے عظیم مقصد کی تکمیل ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی پیدائش کے عظیم مقصد کو سمجھیں اور پھر اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اس مقصد کی تکمیل کے لیے کام کریں۔ آئیے دیکھیں کہ اللہ نے اس کائنات کو کیوں پیدا کیا۔ خود خالق کائنات کے بیان سے بہتر کونسا بیان ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”وہ (اللہ) جس نے موت اور زندگی بنائی تاکہ دیکھے کہ تم میں کس کا عمل بہتر ہے“ (سورۃ ملک، آیت نمبر ۲)۔ یعنی اس کائنات کو بنانے کا مقصد خالق کائنات کے نزدیک یہ تھا کہ دیکھے کہ کس کا عمل اچھا ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اچھے عمل کریں تاکہ ہمارا خالق یہ دیکھے کہ ہم میں سے کس نے اچھے عمل کیے، یہی ہماری پیدائش کا مقصد ہے۔

ہر وہ عمل جو قابل ستائش ہوگا اچھا عمل کہلائے گا۔ چاہے وہ ایک میڈیکل اسسٹنٹ کا بیماروں کی تیمارداری خندہ پیشانی سے کرنا ہو۔ چاہے وہ عمل ایک خاتون کا اچھی طرح گھر کا نظم و نسق چلانا اور پرورشِ اطفال ہو۔ چاہے وہ عمل ایک خاکروب کا اچھی طرح صفائی کرنا ہو۔ غرض اچھا عمل کرنے کے لیے اعلیٰ نوکری، لوگوں پر اقتدار، عظیم الشان کاروبار اور بڑا عہدہ ضروری نہیں۔ بلکہ ہر وہ شخص جو اپنی پیدائش کے مقصد کو سمجھ لے اور وہ جو بھی کام، نوکری، کاروبار وغیرہ میں مصروف ہو اُس کو اچھی

طرح بجالائے تو وہ خالق کائنات کے ہاں اچھے عمل کرنے والا کہلائے گا۔ اور یہی وہ مقصد ہے جس کے لیے اللہ نے اُسے پیدا کیا۔

اسی طرح اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ”نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کے لیے۔“ (سورۃ الذریت، آیت نمبر ۵۶)

لہذا ایک افسر کا دفتر جانا، ایک خاتون کا اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو پورا کرنا یا بیرون خانہ ملازمت کرنا، ایک خاکروب کا جھاڑو لگانا، ایک نرس کا بیماروں کی تیمارداری کرنا، ایک پولیس کے سپاہی کا ٹریفک کا اشارہ (سگنل) کنٹرول کرنا، یہ سب عبادت ہے۔ اس لیے کہ عبادت، ’عبدیت کے کام‘ کا نام ہے۔ اور یہی معبود (اللہ) کی منشا ہے کہ عبد، عبادت کرے یعنی بندگی کرے، عبادیت کے کام کرے۔

گویا اللہ نے کائنات بنائی تاکہ دیکھے کون اچھے کام کرتا ہے۔ پھر اس کے لیے عبد بنائے، اُن کو کام سونپے یعنی عبادت کی ڈیوٹی سونپی۔ ہر ایک کے مختلف کام کیے یعنی کسی کا کام صفائی کرنا، کسی کا تیمارداری کرنا، کسی کا روٹی ہانڈی کرنا اور کسی کا کاروبار۔ غرض ہر ایک کی بندگی کا طریقہ (عبادت) طے کر دیا تاکہ دیکھے کہ ان میں کون اچھی طرح اپنا سونپا گیا کام انجام دیتا ہے۔

لہذا ہم جو کوئی بھی ہوں، سب سے پہلے ہمیں یہ بات سمجھنی ہے کہ ہم اللہ کے نزدیک اہم ہیں، اُس نے ہمیں یہ دیکھنے کے لیے پیدا کیا ہے کہ ہم میں سے کون اپنی ڈیوٹی یعنی عبادت اچھی طرح کرتا ہے۔ اس میں ہمارا تعلیم حاصل کرنا، اپنے مخصوص فن کو سیکھنا، اپنی ذمہ داری اچھی طرح بجالانا سب شامل ہے۔

اسی طرح ہم ایک بیٹے بھی ہیں، ایک بھائی بھی ہیں، ایک ساتھی بھی ہیں، ایک شہری بھی ہیں، اور اسی طرح ہم کبھی خریدار بھی ہوتے ہیں، کبھی کوئی چیز فروخت کرنے والے بھی ہوتے ہیں، کبھی سامع ہوتے ہیں، تو کبھی بات کرنے والے، کبھی میزبان تو کبھی مہمان۔ لہذا ہمارے کئی کردار ہیں اور ہمیں ہر کردار احسن طریقے سے ادا کرنا ہے اور بس یہی ہمارے اللہ کا پیغام ہے اور ہمیں اس پر عمل کرنا ہے۔ یعنی اپنی عبادت کرنی ہے اور تمام کام اچھی طرح سے ادا کرنے کی سعی کرنی ہے۔

آئیے دیکھیں کہ ہم اپنے عمل کو کس طرح اچھا بنا سکتے ہیں۔ اس کے لیے ۵ نکاتی عمل وضع کیا گیا ہے۔

**نمبر ۱: وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا** (اور لوگوں سے اچھی بات کہو)

یہ تلقین اللہ نے سورۃ بقرۃ، آیت نمبر ۸۳ میں کی ہے۔ یعنی ہم سب سے اچھی بات کہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جو شخص اللہ اور آخرت کے روز پر یقین رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے“۔ دیکھئے اچھی بات کرنے پر زور ہے۔

**نمبر ۲: سب کی خیر خواہی چاہیں**

اپنے ادارے کی، اپنے ساتھیوں (Colleagues) کی، سربراہ (Leader) کی، گاہگ (Customer) کی۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کے کام اچھے ہوتے چلے جائیں گے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ”دین خیر خواہی کا نام ہے“۔ لہذا اس بات کا خاص خیال رکھیں۔

### نمبر ۳: اپنے دل کو تمام لوگوں کی طرف سے صاف کر لیں

اس کے بڑے ثمرات ہیں۔ مسند احمد کی حدیث نمبر ۹۷۷۹ میں ایک صحابیؓ کا واقعہ آیا ہے۔ آپ ﷺ نے مسلسل تین روز اُن کے مجلس میں آنے سے پہلے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ ”اب تمہارے پاس جنتی آدمی آنے والا ہے۔“ لہذا ایک دوسرے صحابی کو جستجو ہوئی کہ وہ کیا بات ہے جس پر اُنہیں اتنی بڑی بشارت ملی۔ اور پھر وہ دوسرے صحابی بہانے سے تین راتیں اُن صحابی کے گھر مہمان رہے۔ وہ دوسرے صحابی کہتے ہیں کہ وہ رات کو بالکل قیام نہیں کرتے تھے (یعنی تہجد نہیں پڑھتے تھے)۔ البتہ جب بھی رات کو (بستر پر لیٹے ہوئے) اُن کی آنکھ کھلتی اور وہ اپنے بستر پر پہلو بدلتے تو اللہ کا ذکر کرتے اور تکبیرات پڑھتے۔ یہاں تک کہ نماز فجر کے لیے اُٹھتے۔ اس کے علاوہ اُن کا ایک وصف یہ بھی تھا کہ وہ صرف خیر و بھلائی والی بات کرتے۔ تین دن بعد صحابی نے انہیں بتایا کہ میں اس لیے آپ کا مہمان ہوا تھا کہ دیکھوں کہ وہ کیا بات ہے کہ آپ ﷺ نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ تو اُن صحابی نے کہا کہ ”میرا عمل تو وہی ہے جو آپ نے دیکھا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ میرے دل میں کسی مسلمان کی خلاف دھوکہ نہیں ہے اور جس مسلمان کو اللہ نے جو خیر عطا کی ہے، میں اس پر اُس سے حسد نہیں کرتا۔“ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”میرا کبھی کسی مسلمان سے دھوکہ بازی، حسد اور بغض کا ارادہ نہ ہوا اور میں کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا۔“

یہ وہ خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے انہیں جنتی ہونے کی بشارت اسی دنیا میں ملی۔

نمبر ۴: جو عمل کریں اللہ کے لیے کریں

یعنی اخلاص کے ساتھ۔ کسی منفعت کے لالچ کے بغیر۔

نمبر ۵: اللہ کی عبادت کریں

اللہ سے اپنا تعلق نماز کے ذریعے جوڑیں۔ اور اس کی پابندی کریں۔

انشاء اللہ امید ہے کہ ان نکات پر عمل پیرا ہو کر آپ کے اعمال اس آیت

کے موافق ہو جائیں گے۔

”وہ (اللہ) جس نے موت اور زندگی بنائی تاکہ دیکھے کہ تم میں کس کا عمل بہتر ہے۔“

(سورۃ ملک، آیت نمبر ۲)

## دُبلے کیسے ہوں؟

کھانا پینا انسان کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر اُس کا نظام زندگی چل نہیں سکتا۔ انسانی زبان میں خواہش کے تحت لذت رکھی گئی ہے۔ جس کی بدولت انسان کھاتا پیتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان نہ کھائے اور لاغر و کمزور ہو کر موت کے قریب جا پہنچے۔ لہذا قدرت نے زبان میں مزہ لینے کا مادہ رکھا ہے اور کھانوں و مشروبات میں مزہ، تاکہ ان دونوں کی بدولت انسانی جسم طاقت حاصل کرے۔ اگر ہم کھانے پینے کی ضرورت کو صرف اس حد تک سمجھیں تو ہم باآسانی کچھ کوشش سے دُبلے ہو سکتے ہیں۔ کس طرح؟ یہی اس مضمون میں بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ضرورت کے تحت کھانا اور کھانے کے لیے مواقع ڈھونڈنا دو متضاد باتیں ہیں۔ اگر آپ ضرورت کے تحت کھائیں تو کبھی موٹے نہ ہوں اور اگر آپ کھانے کے لیے مواقع ڈھونڈنے کی کوشش میں رہیں تو کبھی دُبلے نہ ہوں۔ اب فیصلہ آپ نے کرنا ہے جیسے کہ مرحوم اشفاق احمد صاحب کہا کرتے تھے کہ یہ انسان پر ہے کہ اُسے گھٹا لینا ہے یا میٹھا۔ یعنی کونسا راستہ اپنانا ہے۔

لہذا اگر آپ دُبلے ہونا چاہتے ہیں تو ضرورت کے تحت کھائیں۔ اس طرح

کھانے کے لیے کچھ طریقے وضع کر دیے گئے ہیں۔ جیسے جب بھوک لگے تب کھائیں یا کیلوری چارٹ کی مدد سے حساب لگا کر کھائیں۔ کیلوری چارٹ میں مختلف اشیائے خورد و نوش کی کیلوریز دی گئی ہوتی ہیں۔ تاکہ جب کوئی شخص کوئی چیز کھائے یا پیئے تو وہ معلوم کر سکتا ہو کہ اُس نے کتنی کیلوریز لی ہیں۔ جیسے کہ مندرجہ ذیل جدول ہے (بشکریہ اردو ڈائجسٹ ستمبر ۲۰۱۲) جس میں ایک پاکستانی گھرانے کی روزمرہ کی کھانے پینے کی اشیاء کیلوریز کے حساب سے درج ہیں۔

### ناشتہ

80 کیلوریز	اُبلّا ہوا انڈہ
125 کیلوریز	فرائی انڈہ
150 کیلوریز	آملیٹ
60 کیلوریز	ایک سلائس
90 کیلوریز	ایک تلا ہوا سلائس
400 کیلوریز	ایک پیالہ مرغ چھولے
30 کیلوریز	چائے بغیر چینی
60 کیلوریز	چائے چینی کے ساتھ
150 کیلوریز	دودھ کا گلاس
200 کیلوریز	دودھ کا گلاس بالائی کے ساتھ

## ریفریشمنٹ

30 کیلوریز	سادہ بسکٹ بغیر کریم کے
300 کیلوریز	پیسٹری (80 گرام)
300 کیلوریز	سموسہ درمیانہ
400 کیلوریز	آدھا پلیٹ پکوڑے (100 گرام)
200 کیلوریز	فنلگر چسپ جھوٹی پلیٹ (50 گرام)

## کھانا

200 کیلوریز	دال یا سبزی ایک پلیٹ
150 کیلوریز	ایک پلیٹ اُبلے ہوئے چاول (50 گرام)
250 کیلوریز	ایک پلیٹ گھی والے چاول
200 کیلوریز	ایک چکن پیس (100 گرام)
300 کیلوریز	ایک پلیٹ بریانی
200 کیلوریز	ایک شامی (50 گرام)
700 کیلوریز	ایک پلیٹ نہاری جھوٹی
600 کیلوریز	ایک پیالہ پائے
200 کیلوریز	گھریلو چپاتی (60 گرام)

300 کیلوریز	سادہ روٹی تیندُور (90 گرام)
340 کیلوریز	خمیری روٹی تیندُور
450 کیلوریز	پڑاٹھا (100 گرام)
500 کیلوریز	چکن برگر بڑا
600 کیلوریز	بیف برگر بڑا
200 کیلوریز	بیجنی (ایک گلاس)

## مشروبات

250 کیلوریز	لسی ایک گلاس (آدھا دودھ آدھا دہی)
40 کیلوریز	کچی لسی ایک گلاس
210 کیلوریز	ملک شیک کیلا ایک گلاس
200 کیلوریز	ملک شیک آم ایک گلاس
180 کیلوریز	ملک شیک سیب ایک گلاس
120 کیلوریز	تازہ پھلوں کا جوس ایک گلاس
130 کیلوریز	لال شربت کا گلاس
110 کیلوریز	کولڈ ڈرنک
130 کیلوریز	جوس کا ڈبہ (250 ایم ایل)

اس جدول کے ذریعے آپ باسانی حساب لگا سکتے ہیں کہ آپ نے ناشتے، دوپہر کے کھانے، رات کے کھانے، ریفریشمنٹ وغیرہ میں ایک دن میں کتنی کیلوریز لی ہیں۔ حد کتنی ہو؟ یہ آپ نے مقرر کرنی ہے۔ عموماً ایک چھوٹے قد کے آدمی کے لیے جو بیڈھ کر آفس ورک کرتا ہو اور ڈبلا ہونا چاہتا ہو اُس کے لیے 1200 سے 1300 کیلوریز کافی ہیں۔ اس طرح حساب سے کھانے پینے سے آپ کا وزن از خود گھٹنا شروع ہو جائے گا۔ اس کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ آپ کیلوری کی جدول کو سامنے رکھ کر اپنی روزانہ کی غذا کا حساب لگائیں۔ یعنی اوسطاً آپ روزانہ کتنی کیلوریز لے رہے ہیں۔ فرض کریں آپ کا جواب 2200 کیلوریز ہے۔ اب آپ اس میں سے 500 کیلوری روزانہ کے حساب سے کم کر لیں یعنی اوسطاً روزانہ 1700 پر آجائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ روزانہ 500 کیلوریز کم کرنے سے آپ سات دن میں ایک پونڈ وزن کم کر لیں گے۔ اس کو جاری رکھیں یعنی 1700 پر رہیں (پچھلی غذا سے 500 کیلوری کم)۔ جب وزن مزید گھٹنا رک جائے اور آپ محسوس کریں کہ اب نہیں کم ہو رہا تو روزانہ کی ڈائنٹ جو اب 1700 ہے اُس میں مناسب کمی کر دیں۔ وزن انشاء اللہ دوبارہ گھٹنا شروع ہو جائے گا۔

جہاں تک اس عمل کے دوران ورزش (ایکسرسائز) کا تعلق ہے تو عین ممکن ہے کہ اس کی ضرورت نہ پڑے۔ یعنی ایکسرسائز کے بغیر ہی اوپر دیے گئے طریقے سے آپ وزن گھٹانے میں انشاء اللہ کامیاب ہو جائیں۔ البتہ فٹ رہنے کے لیے ایکسرسائز کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ دس منٹ کی واک 100 کیلوریز کم کر دیتی ہے۔

یعنی اگر آپ 1700 کیلوریز لے رہے ہیں اور دس منٹ کی تیز واک کرتے ہیں تو یہ ایسا ہے کہ آپ نے 1600 کیلوریز اُس دن لیں۔ اس طرح 30 منٹ کی واک آپ کی 300 کیلوریز کم کر دے گی مگر اس واک کے بعد آپ نے روزانہ کی ڈائٹ کے علاوہ دو گلاس آم کے ملک شیک چڑھا لیے تو آپ 300 کم کر کے 400 جسم میں لے لیں گے۔ یعنی روزانہ کی غذا سے 100 زائد، آگے آپ خود سمجھ دار ہیں۔

ایکسرسائز آپ کو فٹ تو رکھ سکتی ہے اور وزن کم کرنے میں بھی معاون ہو سکتی ہے، اگر آپ ایکسرسائز کرنے کے ساتھ ساتھ اس ایکسرسائز کی نفی بھی نہ کر رہے ہوں۔ نفی کرنے سے کیا مراد ہے؟ یہ ہم اوپر بتا چکے ہیں یعنی 300 کیلوریز استعمال یعنی برن (Burn) کیں اور 400 کیلوریز لے لیں۔

کم کیسے کھائیں؟ یعنی زیادہ کھانے کی خواہش کے باوجود کم کیلوریز جو آپ اپنے لیے ایک دن کی طے کر چکے ہیں اُن پر کیسے قائم رہیں۔ یہ ایک مشکل عمل ہے۔ دیکھیں جب ایک 2000 یا 2200 کیلوریز لینے والا شخص اپنی روزانہ کی کیلوریز کم کرنے کی سعی کرتا ہے تو اُس کو اپنے اوپر جبر کرنا پڑتا ہے۔ آپ کوشش کر کے دیکھیں۔ اُن دنوں آپ کو بھوک بہت لگے گی۔ دل چاہے گا کہ جتنا اب تک روزانہ لیتے رہے ہیں اُسی پر قائم رہیں۔ چھوڑو بھئی دُبلا ہونا۔ ہم ایسے ہی ٹھیک ہیں۔ مگر یہ وہ وقت ہو گا جب آپ کو اپنی کھانے کی خواہش اور دُبلا ہونے کی خواہش میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اگر آپ اپنی کھانے کی خواہشات پر جبر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لیں کہ آپ موٹاپے کی خلاف جنگ جیت گئے۔

یہاں ہم نے دُبلّا ہونے کے لیے ۵ نکاتی پلان وضع کیا ہے۔ اُمید ہے کہ اس کو رو بہ عمل لا کر آپ اپنی خواہش کا وزن پاسکیں گے۔

نمبر ۱: کیا کھانا ہے اور کتنی کیلوریز لینی ہیں؟ یہ روزانہ کے حساب سے طے کر لیں اور پھر اس پر عمل کریں۔

نمبر ۲: ناشتہ ضرور لیں اور جلدی لیں۔ جلد ناشتہ کرنے کی اہمیت حدیث سے بھی واضح ہے۔ جلد ناشتہ کرنے سے غذا کے طاقت میں تبدیل ہونے کا عمل صبح جلد ہی شروع ہو جاتا ہے اور جب آپ کو کام پر دس گیارہ بجے کے قریب ذہنی اور جسمانی کام کے لیے طاقت درکار ہوتی ہے تو یہ آپ کے جسم میں موجود ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ ناشتہ نہیں کرتے یا دیر سے کرتے ہیں وہ دس گیارہ بجے کے قریب بھوک کے زیر اثر زیادہ کھا جاتے ہیں۔ فرض کریں کسی شخص نے ناشتہ نہیں کیا ہے، بھوک تو اُسے لگے گی۔ لہذا اس کو ختم کرنے کے لیے وہ چائے بسکٹ یا کسی رفريشمنٹ کا سہارا لے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شدید بھوک کے تحت ایک دو نہیں، دس گیارہ بسکٹ کھائے یعنی 30 کیلوری فی بسکٹ کے لحاظ سے 300 کیلوریز۔ اور پھر چائے بھی اور وہ بھی اگر چینی کے ساتھ ہو تو 60 کیلوری۔ اسی طرح ناشتہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ دوپہر کا کھانا بھی ڈٹ کر لے گا۔ اب آپ خود بتائیں کہ ایسے میں کیلوری چارٹ تو بڑی طرح distrub ہو گیا نا؟ لہذا ناشتہ اچھا لیں اور جلدی لیں۔

نمبر ۳: بسم اللہ پڑھ کر کھائیں۔ دُعا یہ ہے بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ بَرَکَةِ اللّٰهِ تَرَجَمَهُ اللّٰهُ

کے نام سے اور اللہ کی برکت پر۔“ برکت ہوگی تو تھوڑا بھی بہت ہو جائے گا۔ حدیث شریف ہے کہ ”جب تم میں سے کوئی کھائے تو اللہ کا نام لے۔ اگر وہ شروع میں اللہ کا نام لینا بھول جائے، تو (یاد آنے پر) کہے بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلُهُ وَاٰخِرُهُ (یعنی اللہ کے نام سے اس کی ابتداء اور انتہا)۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۷۶۷۷۷)

نمبر ۴: اپنے مقصد کو سامنے رکھیں۔ مقصد میں کامیابی کی لگن آپ کی زیادہ کھانے کی خواہش کو دبانے میں مدد و معاون ثابت ہوگی۔ زیادہ کھانے کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ روک دے گی۔ شروع میں مقصد پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے کافی تکلیف ہوگی۔ مگر جیسے جیسے وزن کم ہونا شروع ہوگا، کامیابی کا احساس آپ کو اپنے ارادے میں مضبوط کرتا جائے گا۔ اور ایک وقت آئے گا جب آپ کم کھا کر زیادہ طمانیت و خوشی محسوس کریں گے۔ اُس وقت کم کھانا آسان محسوس ہوگا۔ بھوک کم لگے گی اور آپ کا جسم از خود جسم پر جمی چربی سے توانائی لینا شروع کر دیگا۔ تب کم کھانا آپ کے لیے کافی ہو جائے گا۔

نمبر ۵: اپنے آپ کو فٹ رکھنے کے لیے آپ روزانہ واک بھی سکتے ہیں۔ بلکہ مرد حضرات مسجد جاتے ہوئے تیز تیز چلیں تو اچھی خاصی کیلوریز کم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

امید ہے کہ اس پلان پر عمل کر کے آپ اپنا وزن کم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

## پروویڈنٹ فنڈ

### (Provident Fund)

سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں ملازمین کی ریٹائرمنٹ کے وقت آسانی کی خاطر دورانِ ملازمت پروویڈنٹ فنڈ جمع کیا جاتا ہے۔ طریقہ کار اس کا یوں ہوتا ہے کہ ملازم کی تنخواہ سے ادارہ ایک مقررہ رقم لازمی کٹوتی کے طور پر ماہانہ کاٹ لیتا ہے اور اُسے ملازم کے نام جمع کیے رکھتا ہے۔ بعض ادارے جتنی رقم ماہانہ کاٹتے ہیں اتنی ہی اپنی طرف سے بھی ملا دیتے ہیں اور اپنے پاس جمع کیے رکھتے ہیں۔ جبکہ بعض صرف ملازم کی تنخواہ سے ہی کاٹتے ہیں (یعنی اپنی طرف سے نہیں ملاتے) اور اپنے پاس جمع کیے رکھتے ہیں۔ اس رقم پر ادارہ ماہانہ اضافی رقم جمع کرانے کا بھی اختیار ملازم کو دیتا ہے۔ یعنی ملازم اگر چاہے تو ماہانہ لازمی کٹوتی کے علاوہ اپنی مرضی سے اضافی رقم بھی کٹوا سکتا ہے۔ یہ ملازم کی صوابدید پر ہے کہ وہ لازمی کٹوتی سے کتنی زیادہ رقم کٹوانا چاہتا ہے۔ البتہ لازمی کٹوتی ادارے کی پالیسی کی بدولت ہر ملازم کی تنخواہ سے بالضرور کاٹی جاتی ہے۔ خیر جتنی بھی رقم ماہانہ کاٹی جائے، ادارہ سال کے آخر میں اُس پر Interest یا پرافٹ یا سود کہہ کر منافع بھی جمع کر دیتا ہے۔ یہ تمام رقم جمع شدہ منافع یا سود ملازم کو ریٹائرمنٹ پر ادا کر دی جاتی ہے۔

ہم چونکہ سود کے نقصانات اور اُس کی برائی سے بچنا چاہتے ہیں لہذا ہمیں یہ فکر ہوتی ہے کہ اس منافع یا سود کو لیں یا نہ لیں؟ آیا اس طرح رقم جمع کیے جانے پر جو اضافی رقم ملتی ہے وہ واقعتاً سود ہے یا نہیں؟ غرض اس طرح کے مختلف سوالات ہمیں گھیرے رہتے ہیں اور بالآخر ساری عمر حق حلال کی روزی کمانے والا، ریٹائرمنٹ کے وقت اپنی گھریلو ذمہ داریوں کے بوجھ تلے، دل پر بار رکھ کر اس فنڈ پر دیے گئے منافع کو لے لیتا ہے۔

اگر آپ کے ساتھ بھی اسی طرح کی صورت حال ہے تو خوش ہو جائیے۔ آپ اُس تمام رقم کو جو ادارے کی پالیسی کے مطابق ہر ماہ لازمی کٹوتی کے طور پر آپ کی تنخواہ سے کاٹ کر جمع کی جاتی رہی اُسے بمع منافع لے سکتے ہیں۔ کیوں کہ اس طرح ادارے کی جانب سے لازمی کٹوتی کے ذریعے جمع کیے جانے والی رقم پر منافع سود کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔ البتہ اگر آپ نے ادارے کی لازمی ماہانہ کٹوتی سے زیادہ خود اپنی طرف سے بڑھا کر رقم کٹوائی ہے تو پھر اس منافع سے اجتناب کیجئے کیونکہ اس میں تشبہ بالرباء بھی ہے اور سود خوری کا ذریعہ بنالینے کا خطرہ بھی۔

ماہانہ لازمی کٹوتی یعنی پراویڈنٹ فنڈ پر حاصل شدہ منافع (چاہے ادارہ نے اپنی طرف سے اُس میں ماہانہ کچھ ملا یا ہو یا نہ ملا یا ہو) سود نہیں ہے۔ یہ رائے بلکہ فتویٰ ہے جناب مفتی محمد شفیع صاحب کا، جو مفتی اعظم پاکستان اور جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب کے والد بزرگوار تھے۔ آپ نے اس پر مدلل بحث کی ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ سود نہیں ہے۔ بلکہ تنخواہ ہی کا حصہ ہے چاہے ادارہ اسے Interest یا سود ہی کیوں نہ

کہے۔ البتہ اگر ملازم نے اپنی مرضی سے، لازمی کٹوتی سے بڑھا کر رقم کٹوائی ہے تو پھر اُس پر منافع لینا درست نہیں کیونکہ اس میں تشبہ بالرباء بھی ہے اور سود خوری کا ذریعہ بنا لینے کا خطرہ بھی۔ یہاں آپ کی رائے ختم ہو جاتی ہے۔

اس بحث سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ اپنی پالیسی کے تحت جو لازمی ماہانہ رقم پراویڈنٹ فنڈ کے طور پر ملازم کی تنخواہ سے کاٹ رہا ہے اور اُس پر اپنی طرف سے بھی ماہانہ کچھ رقم جمع کر دیتا ہے یا چاہے اپنی طرف سے جمع نہیں بھی کرتا، دونوں صورتوں میں کل رقم پر سالانہ منافع سود کی تعریف میں نہیں آتا اور یہ آپ لے سکتے ہیں۔ چاہے ادارہ اس کو سود یا Interest ہی کیوں نہ کہتا ہو۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اگر ملازم نے اپنی مرضی سے ماہانہ مقررہ لازمی کٹوتی سے بڑھا کر رقم کٹوائی ہے تو کیا کیا جائے۔ اس کے لیے میری یعنی راقم الحروف کی رائے میں، اللہ مجھے معاف فرمائے، سورۃ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت ہماری رہنمائی کر سکتی ہے۔

”جو لوگ سود کھایا کرتے ہیں، وہ نہیں کھڑے ہونگے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے شیطان نے چھو کر پاگل کر دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی سود کی مانند ہے۔ حالانکہ حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا ہے سود کو۔ پس جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے نصیحت آئی تو وہ (سود سے) رک گیا تو جائز ہے اُسکے لیے جو گزر چکا اور اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو شخص پھر سود کھانے لگے تو وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

(سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲۷۵)

لہذا آئندہ سود سے بچنے کی نیت کریں۔ توبہ واستغفار کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ اُس سود کو جو آپ کی اپنی مرضی سے لازماً ماہانہ کٹوتی میں اضافہ کر کے کٹوائی گئی رقم پر آج تک آپ کے اکاؤنٹ میں جمع ہو چکا ہے اس آیت کی مناسبت سے جائز کر دے۔ اس سے پہلے یہ پختہ ارادہ (Commitment) بھی کریں کہ آج کے بعد آپ صرف اتنی رقم پراویڈنٹ فنڈ میں ماہانہ کٹوائیں گے جتنی کے ادارے کی پالیسی کے مطابق لازماً کٹوانا ہر ملازم کے لیے ضروری ہے۔ یعنی اپنی طرف سے ادارے کی لازمی کٹوتی میں اضافہ نہیں کروائیں گے۔ اور اگر اضافہ کروایا ہوا ہے تو اُسے فوری طور پر ختم کرادیں گے۔

اب سوال پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کے واجب ہونے یا نہ ہونے کا ہے۔ اس ضمن میں مفتی محمد شفیع صاحب کی رائے یہ ہے کہ اُس رقم پر جو پراویڈنٹ فنڈ کے طور پر ملازم کی تنخواہ سے ماہانہ کاٹ کر جمع ہو رہی ہے (چاہے ادارہ اس میں کچھ مزید رقم اپنی طرف سے ماہانہ ملا رہا ہے یا نہیں ملا رہا) اُس رقم پر بجمع منافع سالانہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب یہ تمام رقم ملازم کو ریٹائرمنٹ پر ادا کر دی جائے گی تو اس پر گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ بلکہ رقم مل جانے کے بعد، اگر ملازم صاحبِ نصاب پہلے سے تھا تو جس مہینے یعنی رمضان یا کوئی اور تاریخ کو وہ سالانہ زکوٰۃ نکالا کرتا ہے، تو جو پراویڈنٹ فنڈ کی رقم اُس کے پاس استعمال کے بعد اُس تاریخ کو بیچ رہے گی اُس پر وہ زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اسی طرح اگر پراویڈنٹ فنڈ ملنے سے پہلے صاحبِ نصاب نہیں تھا تو پھر پراویڈنٹ فنڈ ملنے کے

پورے ایک سال بعد جو رقم اُس کے پاس استعمال ہو جانے کے بعد بچ رہے گی، اُس پر وہ زکوٰۃ ادا کرے گا۔

مفتی شفیع صاحب نے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے معاملے میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق موجودہ پراویڈنٹ فنڈ کو قرض کی ایک خاص قسم کے برابر تصور کر کے فتویٰ دیا ہے جس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ لہذا آگے لکھتے ہیں ”البتہ چونکہ صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مطابق قرض کی ہر قسم پر زکوٰۃ واجب ہے اس لئے اگر کوئی صاحب احتیاط اور تقویٰ پر عمل کرتے ہوئے ان (دو حضرات) کے مسلک کے مطابق اس پوری رقم پر گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کر دیں تو بہتر ہی“۔

یہ پراویڈنٹ فنڈ سے متعلق نکات تھے جن کا الحمد للہ آج ہمیں خاطر خواہ جواب مل گیا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری رہنمائی فرمائے اور ہماری مغفرت فرمائے۔ آمین۔

حوالہ: ”پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ“ مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ مصدقہ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ (دارالافتاء دارالعلوم کراچی)

## رفیقِ حیات

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بااختیار رکھا ہے اور اُسے موقع اور فیصلے کی صلاحیت دونوں بہم پہنچائے ہیں۔ یعنی زندگی میں مواقع بھی آتے ہیں اور انسان عقل و فہم سے اپنے حق میں بہتر فیصلے بھی کر سکتا ہے۔ غرض تقدیر و تدبیر دونوں انسان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اپنے رب کی جانب سے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مختلف معاملات کی طرح، نکاح بھی انسان کا ایک اہم معاملہ ہے۔ جس میں تدبیر و تقدیر دونوں کو دخل ہے اور انسان کے فیصلے کی کامیابی کا دار و مدار دونوں چیزوں پر ہے۔

غرض تقدیر لکھی جا چکی ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے ”قلم خشک ہو چکے ہیں۔“ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۶۷۳۵)

جبکہ تدبیر اس بات کی متقاضی ہے کہ جو کچھ تقدیر میں ہے اُسے خوبی کے ساتھ خود ڈھونڈا جائے۔ نکاح کے فیصلے میں تدبیر بہت اہم ہے۔ جیسا کہ ہر انسانی فیصلے میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ تدبیر کیا کی جائے؟

قصہ مختصر، تدبیر کے لیے بہترین رہنمائی ہمارے دین نے خود ہی فرمادی

ہے اور آپ ﷺ کے ارشاد نے آنے والے اپنے ہر امتی کو کامیابی کا گز سیکھلا دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

”عورت سے نکاح چار چیزوں کے باعث کیا جاتا ہے: اُس کی دولت، اُس کا حسب نسب، اُس کا حُسن اور اُس کا دین۔ اور تم دین دار کو حاصل کر کے کامیاب ہو جاؤ۔“ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۵۶۳۵)

آپ ﷺ کا یہ ارشاد اپنے اندر گہری معنویت رکھتا ہے۔ اگر آپ دیکھیں تو نفی چاروں خصوصیات میں سے کسی کی نہیں کی گئی ہے۔ یعنی یہ چاروں چیزیں اپنے ہمسفر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مگر کہا کہ کامیابی کے لیے دین دار کو تلاش کرو یعنی فیصلے کی بنیاد عورت کی دین داری کو رکھو۔ میرے دل میں جو بات اس حدیث کے پڑھنے سے آئی وہ یہ ہے کہ نکاح کے فیصلے کی بنیادی سوچ یعنی Central Idea عورت کی دینداری کو رکھیں اور باقی خصوصیات میں سے جو چاہیں، وہ بھی دیکھ سکتے ہیں۔

میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ عورت کی دینداری کو بنیاد بنا کر اُس کا انتخاب کریں گے تو ساری زندگی یعنی زندگی کے تمام معاملات میں، جو آگے چل کر میاں بیوی کو پیش آنے ہیں اُن میں کامیاب رہیں گے۔ وہ اس طرح کہ دین دار رفتی حیات مشکل میں آپ کے ساتھ صبر کریگا اور آپ کو بھی صبر کی تلقین کریگا اور حوصلہ بڑھائے گا۔ خوشی میں آپ سے باہر نہ ہوگا، نہ آپ کو زیادتی پر آمادہ کریگا۔ اسی طرح نعمت ملنے پر شاکر ہوگا اور کسی نعمت کے ہاتھ سے چلے جانے پر صابر ہوگا اور آپ کو ملامت نہ کریگا۔ آپ کے درست فیصلوں کی تائید و حمایت کریگا اور جب آپ

کوئی غیر درست فیصلے کا ارادہ کریں گے تو آپ کو صحیح مشورہ دے گا۔ جب آپ اللہ کو یاد کریں گے تو آپ کا زور بازو اور آپ کی آواز ہوگا۔ اور اگر خدا نخواستہ اللہ کو بھول جائیں گے تو خوبی سے آپ کو یاد کرادے گا۔

غرض دین دار شریک حیات ہر طرح آپ کا مدد و معاون ثابت ہوگا۔ جبکہ حسب نسب، دولت اور حُسن بغیر دین داری کے یہ سب کام کرنے سے قاصر رہیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ دیندار خاتون کا کیسے معلوم ہوگا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”دین خیر خواہی چاہنے کا نام ہے“۔ صحابہ کے استفسار پر کہ کس کے ساتھ خیر خواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کے ساتھ، اس کی کتاب کے ساتھ، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ،

مسلمانوں کے قائدین اور عام مسلمانوں کے ساتھ۔“ (مسلم، حدیث نمبر ۱۹۶)

لہذا جو خاتون اپنے گھر میں، اپنے پیشے میں، اپنے ماحول میں، دوسروں کی خیر خواہ ہے وہ دیندار ہے۔ لہذا رفیق حیات کی تلاش ہو تو یہ معلوم کریں کہ کیا اُس خاتون کا معاملہ دوسروں کے ساتھ خیر خواہی کا ہے؟ مثلاً استانی ہے تو صرف کمانا مقصد ہے یا بچوں کی تربیت اور اچھی تعلیم۔ اگر ڈاکٹر ہے تو مریضوں کے ساتھ کس قدر خیر خواہ ہے وغیرہ۔ یہ باتیں آپ کو عورت کی دینداری کا پتہ دیں گی۔ اسی طرح وہ عورت اپنے رب کے ساتھ بھی خیر خواہ ہوگی۔ یعنی اللہ کے بتائے ہوئے فرائض پر بھی عمل پیرا ہوگی۔ یوں آپ کو عورت کی دینداری کا علم ہو جائے گا اور آپ اپنی شریک حیات کے چناؤ میں درست فیصلہ کر سکیں گے۔ انشاء اللہ۔

## خوشگوار گھریلو زندگی کی طرف واپسی

شادی ہوگئی۔ سب ہی خوش تھے۔ دولہا دلہن، ماں باپ، بہن بھائی، ساس سسر، دیورنند اور سالاے سالیوں۔ غرض ایک خوش کر دینے والا معاملہ باہمی رضا مندی سے ہو گیا۔ میاں بیوی نے نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔ سیر و تفریح، ہنسی مذاق، تقریبات، تحفے تحائف اور محبت۔ کیا کچھ نہیں تھا اُس خوبصورت زندگی میں۔ دن گزرتے گئے۔ پھر ایسا بھی ہونے لگا کہ ہمہ وقت خوشگوار کی احساس نہ بھی رہنے لگا۔ کچھ برا بھی لگنا شروع ہو گیا۔ بے فکری اور تسکین آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔ کچھ بدل سا گیا۔ کبھی ایک کاموڈ آف ہے تو کبھی دوسرا ناراض۔ بے چینی (Disturbance) نے آرام (Comfort) کی جگہ لے لی۔ جھگڑوں کی نوبت آنے لگی۔ بد قسمتی کا احساس قوی تر ہوتا چلا گیا۔

یہ سب کچھ کیسے تبدیل ہو گیا۔ جب شادی کے وقت اور اسکے بعد خوشیاں ہی خوشیاں تھیں تو پھر یہ زندگی دکھوں اور غموں میں کیوں بدل گئی؟ آخر اس کی وجہ کیا ہے اور اسکا مداوا کیا ہے؟ لہذا اس سے پہلے کے دیر ہو جائے اس کا حل تلاش کر لیں۔ اور پھر اس حل کو عملی زندگی میں لائیں تاکہ آپ کی زندگی دوبارہ خوشیوں کی طرف لوٹ آئے۔ انشاء اللہ

آپ شوہر ہیں یا بیوی؛ سب سے پہلے یہ یقین کر لیں کہ یہ بندھن خاص آپ کے رب کی طرف سے آپ کے لئے ہے۔ وہ رب جو آپ کا پروردگار ہے۔ پالنے والا ہے۔ یہ اس علیم وخبیر اور غفور ورحیم کا فیصلہ ہے۔ لہذا اپنی شادی کے بندھن کو اسی طرح سمجھیں، چاہے آپ نے ضد کر کے اپنی شادی کرائی ہو یا اپنے گھر والوں کی پسند کے ساتھ۔ ہر دو صورت میں یہ اُس مالک کا فیصلہ ہے جو آپ کو ماں سے کہیں زیادہ چاہتا ہے۔ یہ یقین کر لینے کے بعد اس مضمون میں دیے گئے نکات پر غور کریں اور پھر ممکن حد تک ان پر عمل کی کوشش کریں۔ انشاء اللہ آپ کو خوشیوں کی جانب راہ ضرور ملے گی۔

## نمبر ۱: یقین رکھیں کہ خامیوں کے ساتھ خوبیاں بھی ہونگی

دنیا میں کوئی مکمل (Perfect) نہیں۔ Perfect صرف اللہ کی ذات ہے۔ لہذا اپنے آپ کو اس بات پر آمادہ کریں کہ آپ کے شریک حیات میں خوبیوں کے ساتھ خامیاں بھی ہوں گی۔ شادی سے پہلے صرف خوبیاں نظر آرہی تھیں۔ شادی کے بعد اب خامیاں بھی نظر آنے لگی ہیں۔ اس حقیقت کو پریشان ہوئے بغیر تسلیم کریں۔ آگے کی طرف چلنا اور نباہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ آپ نے صرف اپنے آپ کو یہ باور کرانا ہے کہ ساتھی میں خوبی کے ساتھ خامی بھی ہوگی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”کوئی مومن (شوہر) کسی مومنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے، اگر اس کی کوئی ایک عادت اسے ناپسند ہے تو کوئی دوسری عادت پسند بھی ہوگی“ (مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۳۲۴۰)

گو حدیث میں مخاطب مرد ہیں مگر دیکھیں تو خواتین بھی اس طرح کی سوچ رکھ سکتی ہیں جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

## نمبر ۲: شکرگزاری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں

چاہے زندگی کتنی ہی مشکل کیوں نہ نظر آرہی ہو، شکرگزاری کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ سوچیں، غور کریں سب کچھ خراب نہیں ہے۔ جو اچھا ہے اس پر شکر کریں جو برا ہے اس پر صبر کریں۔

شکرگزاری کا رویہ اختیار کریں گے تو اللہ باقی چیزوں اور معاملات میں بھی بہتری کی راہ نکالے گا۔ یہ اس کا وعدہ ہے۔

فرمایا: لَا تَشْكُرُنَّمْ لَا زَيْدًا نَّكُمْ

”اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گا۔“

(سورۃ ابراہیم، آیت نمبر ۷)

## نمبر ۳: اپنے سے نچلے کی طرف دیکھیں

غور کریں کہ وہ بھی ہیں جو آپ سے بھی برے حالات میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو کوئی مالی پریشانی نہ ہو، کوئی بیماری نہ ہو۔ مگر ایسے بہت سے ہونگے جو مالی پریشانی اور بیماریوں کے ساتھ اپنے رفیق حیات کی طرف سے بھی تکلیف میں ہوں گے۔ یقیناً آپ ان سے بہتر حالات میں ہیں۔ آپ کو اپنے ساتھی کی طرف سے پریشانی ہے اور اُس کا حل آپ ڈھونڈ رہے ہیں یا رہی ہیں۔ اگر اس مشکل کے ساتھ مالی پریشانی، بیماری یا اس طرح کی کوئی اور پریشانی ہوتی تو آپ اور برے حالات میں ہوتے۔ لہذا ان کی طرف نظر کریں جو آپ سے زیادہ پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ اس طرح آپ کو حوصلہ ملے گا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”ان لوگوں کی طرف دیکھو جو دنیاوی اعتبار سے تم سے کم تر ہوں اور ان لوگوں کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہوں، اس طرح زیادہ قریب ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں کی ناقدری نہ کرو، جو اس کی طرف سے تم پر ہوئی ہیں۔“ (ترمذی، حدیث نمبر ۲۵۱۳)

## نمبر ۴: امید لگانا کم سے کم کرتے چلے جائیں

دکھ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی امید پر پورا نہیں اترتا۔ لہذا ساتھی سے امید رکھنا کم سے کم کرتے چلے جائیں، آپ دکھوں سے آزاد ہوتے چلے جائیں گے۔ کسی صلے کا سوچے بغیر اپنی گھریلو ذمہ داری پوری کریں۔ جب آپ کا اخلاص، امید اور صلے کی طلب کی جگہ لے لے گا تو سوچ کا دھارا یکسو ہو جائے گا۔ آپ اپنے شریک حیات کے لئے کچھ کریں گے مگر اس کا عوض (Return) نہ چاہیں گے تو آپ کی نظر اپنی ذات سے ہٹ کر ایک بڑے مقصد کی طرف مرکوز ہو جائے گی۔ صبر و رضا کا مقصد، فرض کی ادائیگی کا مقصد، اللہ کے لئے کرنے اور اللہ کی خوشنودی کا مقصد۔ جب یہ اعلیٰ مقاصد، صلے کی طلب کی جگہ لے لیں گے تو جواب (Response) میں کچھ نہ ملنا یا کم ملنا آپ کو دلبرداشتہ نہ کریگا۔

## نمبر ۵: غور کریں کہ جھگڑا کس بات پر ہوتا ہے

حالات کا جائزہ لیں۔ اپنا تجزیہ (Analysis) کریں کہ جھگڑا کس بات پر ہوتا ہے۔ اُس بات یا عمل کو کیسے ہونے سے روکا جاسکتا ہے؟ اگر وہ آپ کی طرف سے ہے تو اس بات یا عمل کو نہ کریں۔ اگر آپ سمجھانے کے لئے کرتے یا کرتی ہیں تو دیکھیں کہ متبادل طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ حکمت سے کوئی مناسب رویہ اپنائیں۔ جھگڑے والی بات یا عمل سے حتی الامکان پرہیز کریں۔ چونکہ آپ ہیں۔ گفتگو کو اس طرف جانے ہی نہ دیں، جہاں جھگڑا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آپ کو اپنے ساتھی کے کمزور نکات (Weak Points) کا علم ہوتا ہے۔ اُن کو نہ چھیڑیں۔

قرآن میں اللہ ہمیں جھگڑے سے بچنے کا گر سکھا رہے ہیں:

”اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۵۳)

## نمبر ۶: درگزر کریں۔ الٹا جواب نہ دیں

درگزر اور معاف کرتے رہنے کا طریقہ اختیار کئے رکھنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کریں۔ کسی بھی بات یا عمل پر فوراً جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔ ساتھی کے نامناسب انداز یا گفتگو کو موقع پر درگزر کر کے بعد ازاں مناسب موقع پر اپنی بات کہی جاسکتی ہے۔ حضرت علیؓ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

’وہ خرابی جو بات کرنے سے پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ مشکل ہے بنسبت اُس خرابی کے جو خاموش رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔‘

لہذا اپنی زبان کا خیال رکھیں۔ زبان کے غیر مناسب استعمال سے یا فوری الٹا جواب دینے سے جھگڑا ہو جاتا ہے۔ اس سے پرہیز کریں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔“ (ترمذی، حدیث نمبر ۲۵۰۱)

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”انسان کی اکثر غلطیوں کا منبع زبان ہے۔“ (طبرانی)

## نمبر ۷: اخراجات میں میانہ روی اپنائیں

گھریلو پریشانیوں اور جھگڑوں کا تجزیہ کیا جائے تو ان کی بنیاد اکثر اوقات معاشی تنگی ہوتی ہے۔ لہذا میاں اور بیوی دونوں کو اس بات کا خیال رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اخراجات میں میانہ روی کا رویہ اختیار کیے رکھیں۔ میانہ روی ہر کام میں بہتر ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”سیدھی راہ پر چلو اور میانہ روی اختیار کرو۔“ (بخاری، حدیث نمبر ۳۹)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے میانہ روی اختیار کی، وہ محتاج نہیں ہوگا۔“

(مسند احمد، حدیث نمبر ۸۹۳۵)

نہ صرف خرچ میں میانہ روی یعنی درمیانی راہ آپکو تنگدستی سے بچائے گی، بلکہ گھر میں بھی امن و سکون کی فضا قائم رکھنے میں معاون ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہ آدمی کی سمجھداری کی علامت ہوگی کہ وہ معیشت میں نرمی یعنی اعتدال اختیار کرے۔“ (مسند احمد، حدیث نمبر ۸۹۳۶)

## نمبر ۸: شریک حیات کے رشتے داروں سے صلہ رحمی (تعلق قائم رکھنے) کا معاملہ رکھیں

باہمی خوشگوار تعلقات کے لئے یہ بہت اہم ہے کہ آپ اپنے ساتھی کے رشتہ داروں کو اہمیت دیں۔ ان سے اچھے تعلقات رکھنے میں اپنے ساتھی کی مدد کریں۔ وہ کہیں مصروفیت کی وجہ سے اپنے ہی رشتہ داروں کو نظر انداز کر رہا ہے تو آپ اسے آمادہ کریں کہ وقت نکالے۔ ہو سکتا ہے اُسکے بعض رشتہ دار صلہ رحمی اور رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے والے نہ ہوں مگر آپ برابر اپنے اور اپنے ساتھی کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور ان کے حقوق ادا کرنے کا معاملہ کرتے رہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”کسی کام کا بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ نہ کیا جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔“

(بخاری، حدیث نمبر ۵۹۹۱)

اسی طرح آپ ﷺ نے معاشرتی زندگی میں عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ایک اچھا انداز اختیار کئے رکھنے کی کیا خوب رہنمائی فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”تم لوگوں کی پیروی نہ کرو اور یوں نہ کہو کہ اگر لوگ ہمارے ساتھ بھلائی

کریں گے تو ہم ان کے ساتھ بھلائی کریں گے۔ اور اگر لوگ ہمارے ساتھ ظلم کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ ظلم کریں گے۔ بلکہ اپنے آپ کو اس بات پر آمادہ کرو کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ احسان کریں گے تو تم بھی ان کے ساتھ احسان کرو گے اور اگر بدسلوکی کریں گے تو تم ظلم نہ کرو گے۔“ (ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۰۷)

## نمبر ۹: بچوں کی اچھی تربیت کریں

یہ بہت ضروری ہے۔ اچھی تربیت اچھے گھرانے اور پرسکون و خوشگوار ماحول کا باعث بنتی ہے۔ اگر خدا نخواستہ بچے بری ڈگر پر چل پڑیں تو گھر مسائل و جھگڑوں کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔ لہذا شروع دن سے ہی اپنے بچوں کو وقت دیں۔ ان کی اچھی تربیت کریں۔ انہیں اچھے برے کی تمیز سکھائیں۔ ان کے دوست کس طرح ہیں اس پر بھی نظر رکھیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ اس لئے تم میں سے ہر شخص کو یہ

دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔“ (ترمذی، حدیث نمبر ۷۸۷۳)

بچوں کی اچھی تربیت ضروری ہے۔ آپ انہیں ۷ سال کی عمر میں نماز سکھا دیں۔ اور اگر دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھیں تو سختی کریں، جس طرح ابو داؤد، حدیث نمبر ۴۹۵ میں آیا ہے۔ اس طرح انشاء اللہ وہ کبھی نماز نہ چھوڑیں گے۔ یوں نماز کا پڑھتے رہنا انہیں سیدھی راہ پر رکھے گا۔

کوئی نہیں چاہتا کہ اس کے بچے برے بنیں۔ مگر اس سے بچنے کے لئے محنت کرنا ہوگی۔ سمجھانا ہوگا۔ جہاں سختی کی ضرورت ہے وہاں تادیبی کارروائی بھی کرنا

ہوگی۔ اگر انکی اچھی تربیت کرنے میں آپ کامیاب ہو گئے تو آپ کو ان کی طرف سے خوشیاں اور راحت ہی ملے گی۔ اور اگر خدا نخواستہ نہ کر سکتے تو پھر رنج و الم کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”کسی باپ نے اپنے بیٹے (اولاد) کو حسنِ ادب سے بہتر تحفہ نہیں دیا۔“

(ترمذی، حدیث نمبر ۱۹۵۲)

بچوں کی تربیت میں ان کے دادا، دادی یا نانا، نانی بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ گھر میں موجود بزرگوں کے ساتھ اپنے بچوں کو گلہنے ملنے کا درس دیں تاکہ وہ ان کو اچھی باتیں اور بڑے لوگوں کی کہانیاں سنا کر ان کی کردار سازی میں آپ کے معاون ہو سکیں۔ یہ آپ کے بزرگوں کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ آپ کے بچے ان سے مانوس ہوں۔ قرآن میں فرمایا:

”اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بلکہ اُن کے ساتھ عزت کے ساتھ بات کیا کرو اور اُن کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے اُن کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ اور یہ دعا کرو کہ ’یارب! جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا، آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجئے۔‘“

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۲۳، ۲۴)

## نمبر ۱۰: اللہ سے مدد مانگیں

گھریلو زندگی میں خوشگوار ماحول کے لئے اللہ سے رجوع کریں۔ نماز کے ذریعے اللہ سے اپنا تعلق جوڑیں۔ دعا کریں۔ ساتھ ساتھ نظر بد، حسد سے حفاظت کا انتظام بھی کیے رکھیں۔ یہاں پر آپ سے قرآن، دعاؤں اور کچھ تدبیری عمل سے اپنی حفاظت کی استدعا کی گئی ہے۔ اسے بھی اپنے روزمرہ کے معمول میں شامل کر لیں۔

(الف) صبح فجر کی نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھے ہوئے، بغیر بات چیت کئے، دس مرتبہ یہ کلمات پڑھ لیں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

حدیث کے مطابق آپ اس دن کی مصیبتوں اور شیطان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ (ترمذی، حدیث نمبر ۳۴۷۴)

(ب) صبح اور شام ۳ مرتبہ مندرجہ ذیل دعا پڑھ لیں۔ حدیث کے مطابق کوئی چیز آپکو ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ (ابن ماجہ، حدیث نمبر ۳۸۶۹)

بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (صبح گھر سے نکلنے وقت کی دعا کے ساتھ اسے بھی شامل کر لیں)۔

(ج) گھر کے چاروں کونوں میں دن میں کوئی ایک وقت مقرر کر کے اذان پڑھیں۔ یہ آپ آہستہ آواز میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کی حدیث ہے:

”شیطان جب آذان کی آواز سنتا ہے تو بھاگ کر مقامِ روحاء تک پہنچ جاتا ہے۔“ (السلسلہ الصحیحہ، حدیث نمبر ۵۷۲)

(د) ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ سورۃ بقرہ کی تلاوت گھر میں CD یا موبائل کے ذریعے سے ضرور لگائیں۔ حدیث شریف ہے: ”جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے، اُس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔ (ترمذی، حدیث نمبر ۲۸۷۷)“

(ھ) سونے سے پہلے تینوں قل یعنی قل ھو اللہ احد، فلق اور ناس پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک کر جسم پر ہاتھ پھرائیں۔ یہ عمل تین مرتبہ کریں۔ حدیث کے مطابق یہ آپ ﷺ کا طریقہ کار تھا۔ (بخاری، حدیث نمبر ۵۰۱۷)

(و) اگر بچپنی ہو تو گیارہ (۱۱) دفعہ سورۃ فلق پڑھ کر سیدھے کان میں اور اکیس (۲۱) دفعہ سورۃ ناس پڑھ کر بائیں کان میں دم کریں۔ شروع و آخر میں گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھیں۔

(ع) بچوں کو غروب آفتاب ہوتے ہی یا اُس سے ذرا پہلے گھر آنے کی عادت ڈالیں۔ آپ ﷺ کی حدیث ہے:

”رات کا اندھیرا شروع ہو یا (آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ) جب شام ہو جائے تو اپنے بچوں کو اپنے پاس (گھر میں) روک لیا کرو، کیونکہ شیاطین اسی وقت پھیلنے ہیں۔ البتہ جب ایک گھڑی رات گزر جائے تو انہیں چھوڑ دو۔“

(بخاری، حدیث نمبر ۳۳۰۴)

(ی) جب تک کوئی چیز مکمل طور پر حاصل نہ ہو جائے اُس کو لوگوں کو بتانے سے پرہیز کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اپنی ضروریات کے حصول میں کامیابی کے لئے رازداری کو پیش نظر رکھو۔ اسلئے کہ ہر نعمت پانے والے کے ساتھ حسد کیا جاتا ہے۔“

(السلسلہ الصحیحہ، حدیث نمبر ۲۵۷)

(ے) اگر اکتاہٹ ہو، کام کرنے کا جی نہ چاہ رہا ہو تو اپنی نظر اتاریں۔

اسی طرح اگر بچہ ضد کر رہا ہو، چڑچڑاہور ہا ہو تو اُس کی نظر اتاریں۔ اس لئے کہ انسان کو نظر لگ جاتی ہے۔ حدیث شریف ہے ”الْعَيْنُ حَقٌّ“ یعنی ”نظر لگنا برحق (ممکن) ہے“۔ (السلسلہ الصحیحہ، حدیث نمبر ۲۲۹۱)۔

نظر اتارنے کا طریقہ درج ذیل ہے:

گیارہ دفعہ درود شریف پڑھیں۔ پھر جس کو نظر لگی ہے اس پر سر سے پاؤں کی جانب، پھونک مارتے ہوئے، ہاتھ پھراتے جائیں اور نظر کی دعا پڑھتے جائیں۔ اگر خود کی نظر اتارنی ہے تو خود بھی اس طریقے سے اپنی نظر اتار سکتے ہیں۔ یہ عمل سات یا گیارہ مرتبہ کریں۔

آخر میں گیارہ دفعہ درود شریف پڑھیں۔ دعا یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ عَظِيْمِ الشَّانِ شَدِيْدِ الْبُرْهَانِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ حَبَسَ حَابِسٍ مِنْ حَجْرٍ  
يَابِسٍ وَشَهَابٍ قَابِضٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ رَدَدْتُ عَيْنَ الْعَايِنِ وَعَلَىٰ اَحْبِ النَّاسِ اِلَيْهِ  
وَفِي كَبِدِهِ وَكُلَيْتِهِ لَحْمٌ رَّقِيْقٌ وَعَزْمٌ دَقِيْقٌ فِى مَا يَلِيْقُ فَرَجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ  
فُطُوْرَتِهِمُ الزَّجِجَ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبُ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِاٌ وَهُوَ حَسِيْرٌ۔

ہم نے اس مضمون میں ان باتوں کی نشاندہی کی ہے جن کی بدولت انشاء اللہ آپ ایک مرتبہ پھر خوشگوار زندگی کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کی شادی شدہ زندگی کو خوش و خرم بنا دے اور آپ کو دین و دنیا میں سرفراز فرمائے۔ آمین

آخر میں دو خصوصی احادیث:

(حضرات اور خواتین کے لئے الگ الگ تحفہ)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ایمان میں سب سے کامل مومن وہ ہیں جو سب سے بہتر اخلاق والے ہوں۔ اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اخلاق میں اپنی بیویوں کے حق میں سب سے بہتر ہوں۔“ (ترمذی، حدیث نمبر ۱۱۶۲)

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جب عورت پانچوں نمازیں پڑھے، ماہ رمضان کے روزے رکھے، اپنی پارسائی کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو پھر وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔“ (مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۳۲۵۴)

## اُتارے جانے سے پہلے

اپنے قریبی عزیز کو دفنا کر لوٹا تو یہ سوال شدت کے ساتھ میرے ذہن میں آ رہا تھا کہ آج اُن کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ کیا وہ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دینے میں کامیاب رہیں گے؟ کیا انہیں قبر کے اندھیرے سے خوف تو نہیں آئے گا؟ کیا ان کی مغفرت ہو جائے گی؟ یہ اتنا بڑا سوال تھا کہ آج نہ مجھے یہ فکر تھی کہ اس دنیا میں ان کا معاشرتی رتبہ (Status) کیا تھا اور نہ یہ کہ آیا وہ مالدار تھے یا نہیں۔ فکر تھی تو صرف یہ کہ مغفرت ہوگی کہ نہیں۔

جب اپنے عزیز کی قبر میں اُنکے جسدِ خاکی کو اتارنے کے لئے میں نے قدم رکھا تو سوچنے لگا کہ اب جب باہر آؤں گا اور مٹی ڈال دی جائے گی تو یہ قبر جسمیں میں کھڑا ہوں میرے عزیز کے لئے یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بننے والی ہے یا پھر خدا نخواستہ جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ ایک حدیث شریف میں ہمیں یہی بتایا گیا ہے کہ ”بیشک (انسان کی) قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے“ (مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۵۲۵۳)۔

لہذا آج کئی دن گزرنے کے بعد جب مجھے دوبارہ وہی منظر یاد آیا تو میں

نے سوچا کہ اپنے زندہ پاکستانی بہن بھائیوں کے نام ایک مضمون لکھوں اور اُن سے استدعا کروں کہ پانچ چیزوں کو (اپنی قبر میں) اتارے جانے سے پہلے درست کر لیں۔ مبادا آپکی موت آجائے اور ان کی درستگی کا وقت نہ ملے۔

## نمبر ۱: نماز پڑھیں

پنج وقتہ نماز کا پڑھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس لئے کہ قبر میں نماز کا سوال ہونا ہے۔ ایمان کے بعد افضل ترین عبادت نماز ہے۔ کیا ہوگا اگر خدا نخواستہ ہم نے نمازیں نہ پڑھی ہوں۔ سوچیں! آخر ہم کیا جواب دے سکیں گے۔ حدیث شریف ہے کہ ”اللہ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جو شخص اُن کے لئے اچھی طرح وضو کریگا، اور انہیں اُن کے وقت پر ادا کریگا، اُن کے رکوع و سجود کو اچھی طرح بجالائے گا تو اللہ کا اُس سے وعدہ ہے کہ اسے بخش دیگا۔ اور جو ایسا نہیں کریگا تو اللہ کا اس سے کوئی وعدہ نہیں۔ چاہے تو اس کو بخش دے۔ چاہے تو عذاب دے۔“

(ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۲۵)

لہذا نماز ضرور پڑھیں اور جب نماز کے لیے وضو کریں تو اچھی طرح مکمل کریں اور نماز کو آداب کے ساتھ ادا کریں۔ نماز کی پابندی نہ صرف آخرت میں سزا سے بچانے کا ذریعہ ہوگی بلکہ اس زندگی میں بھی اس کے ادا کرنے سے ہمارے روز مرہ کے معاملات میں نکھار آئیگا۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق نیند سے اٹھ کر اللہ کو یاد کرنے، وضو کرنے اور نماز پڑھنے سے آدمی صبح کے وقت چاق و چوبند، خوش مزاج رہتا ہے ورنہ سست اور برے دل کے ساتھ ہوتا ہے۔

(بخاری، حدیث نمبر ۱۱۴۲)

## نمبر ۲: قرض ادا کریں

قرض کا ادا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ایک حدیث کے مطابق شہید جس کا بہت بڑا درجہ ہے اُس کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے سوائے قرض کے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اللہ کے نزدیک ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی مرے اور اس پر قرض ہو اور وہ کوئی ایسی چیز نہ چھوڑے جس سے اُس کا قرض ادا ہو۔“ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۳۳۴۲)

لہذا نیت کیجئے کہ اگر آپ کے ذمے قرض ہے تو آپ اُس کو ادا کریں گے۔ اُس کے ادا کرنے کیلئے کوشش کیجئے۔ اُس کو تھوڑا تھوڑا کر کے (اگر یکمشت نہیں کر سکتے) ادا کر دیجئے۔ مبادا موت آجائے اور آپ کو اپنے رب کے سامنے مقروض حاضر ہونا پڑے۔

اسی طرح کسی کی کوئی امانت رکھی ہے تو اس کو ادا کر دیں۔ اگر ادا کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا تو لکھ کر رکھیں یا گھر والوں کو بتا کر رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی اچانک موت کے سبب اُس کا آپ کے لواحقین کو پتہ نہ چل سکے اور وہ امانت ادا ہونے سے رہ جائے۔

## نمبر ۳: قطع رحمی و ناراضگی کو ختم کیجئے

باہمی ناراضگیوں کے متعلق سوچیں۔ کوئی ناراض بہن بھائی یا رشتہ دار اگر کچھ سالوں سے نہیں ملا تو آپ ہی پہل کر لیجئے۔ غلطی کس سے نہیں ہوتی۔ غلطیاں کرنا

عام بات ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اپنے بھائی کی غلطی کو معاف کر دیا جائے۔ تعلقات کے منقطع رہنے میں ایک بوجھ ہے۔ خدارا اس بوجھ سے نجات حاصل کیجئے۔ قبر میں اتارے جانے سے پہلے ہلکے پھلکے ہو جائیے۔  
آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ تعلق کاٹے کہ جب وہ ملیں تو یہ ایک طرف منہ پھیرے اور دوسرا دوسری طرف۔ اور دونوں میں اچھا وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔“  
(بخاری، حدیث نمبر ۶۲۳۷)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

”صلہ رحمی کرنے والا (اچھے تعلق قائم رکھنے والا) وہ نہیں جو بدلہ کے طور پر ایسا کرے۔ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع رحمی (تعلق توڑنے) کا معاملہ کیا جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کا معاملہ کرے۔“  
(بخاری، حدیث نمبر ۵۹۹۱)

**نمبر ۴: گزرے ہوؤں کی وراثت اُن کے حقداروں میں**

**تقسیم کر دیں**

کہیں ایسا تو نہیں کہ والد انتقال کر گئے اور اب تک آپ انکے ورثاء کو حقوق دینے میں ناکام رہے ہیں۔ مثلاً وہ گھر چھوڑ گئے تھے یا کوئی دکان تھی، کاروبار تھا اور اب بڑے بھائی ہونے کے باعث یا جب وہ چھوڑ گئے تو اُس وقت آپ ہی

اُن کے ساتھ تھے، لہذا اب وہ کاروبار آپ ہی چلا رہے ہیں۔ یعنی دکان آپکے ہی پاس ہے۔ یا گھر بھی آپکے ہی پاس ہے وغیرہ۔ بھائی، بہن اور دوسرے شرعی وارث محروم کہ بول نہیں سکتے اور آپ سمجھتے ہوئے بھی خود کو مجبور سمجھ رہے ہیں کہ کیسے تقسیم کروں۔

اس طرح نہ کریں۔ ہمت پکڑیں۔ دیکھیں کہ کس کا کتنا حصہ ہے۔ انہیں حصے کہ مطابق ادا کر دیں۔ اگر گھر یا دکان بچپنا نہیں چاہتے تو وراثت کو اُن کی رضامندی سے اپنے ساتھ شریک کر لیں۔ کوئی سبیل ضرور نکالیں۔ سوچیں، کوشش کریں، اللہ ضرور مدد کریگا۔ اگر آپ نے کوشش نہ کی تو وقت گزر جائے گا۔ مبادا اس بوجھ کے ساتھ ہی قبر میں اترنا پڑے اور مرتے وقت خیال آئے کہ جب چھوڑ کر ہی جانا تھا تو اتنا بوجھ اپنے ذمہ کیوں رکھا۔ پہلے ہی دے کر فرض سے سبگدوش ہو جاتا۔ دیکھیں، آپ کے جانے کے بعد پیچیدگیاں (Complications) پیدا ہوگی۔ قوی اندیشہ یہی ہے کہ اصل حقدار جو آپکے والد کی جائیداد کے وارث تھے وہ محروم رہ جائیں اور آپ کا چھوڑا ہوا اُن کے حصے کا مال، جو اب آپ کے کسی کام کا نہیں، غیر حقداروں کے پاس منتقل ہو کر آپ کی گردن کا طوق بن جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے اور بڑی ہی عبرت حاصل کرنے کی بات ہے کہ:

”جس نے کسی کی زمین ظلم سے لے لی، اسے قیامت کے دن سات

زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔“ (بخاری شریف، حدیث نمبر ۲۴۵۲)

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی

بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ جہنم میں جائیں گے۔“ (سورۃ نساء، آیت نمبر ۱۰)

اسی طرح حدیث نبوی ﷺ ہے:

”جس شخص نے ناحق کسی کی زمین کا تھوڑا سا حصہ بھی لے لیا، تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔“ (بخاری، حدیث نمبر ۲۴۵۴)

## نمبر ۵: بچوں کی صحیح خطوط پر تربیت کر کے جائیں

پانچواں اور اہم کام اولاد کی تربیت ہے۔ مبادا آپ کی آنکھیں بند ہو جائیں اور آپ ایسی اولاد چھوڑ جائیں جو معاشرہ پر بوجھ ہو۔ جسے حلال حرام کا فرق معلوم نہ ہو۔ لوگوں کے حقوق کا علم نہ ہو۔ بد اخلاق ہو۔ قطع رحم (تعلقات توڑنے والی) ہو۔ جس میں خود اعتمادی کا فقدان ہو۔ اللہ پر بھروسے کے فن سے نا آشنا ہو۔ چھوٹے بہن بھائیوں کا خیال رکھنے سے عاری ہو۔ آپ کے بعد اپنی ذمہ داری کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ ماں کی نافرمان ہو۔ بے نمازی ہو۔

آج آپ زندہ ہیں۔ خدارا ان کی اچھی خطوط پر تربیت کر لیجئے۔ قبر میں اتارے جانے سے پہلے اطمینان کر لیں کہ اولاد کی تربیت اچھے طریقے پر کر لی ہے۔ ورنہ آپ کے مرنے کے بعد مسائل کے انبار ہوں گے، گھر والوں کے لیے بھی اور معاشرے کے لئے بھی۔ اور یوں قبر میں اپنی ذمہ داری ادا نہ کرنے کی بدولت نہ صرف سزا کا سامنا ہوگا بلکہ غم و حسرت کے جذبات میں بھی آپ گھرے رہیں گے۔ ابھی وقت ہے۔ اولاد کو وقت دیجئے اور ان کی اچھی تربیت کیجئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب انسان فوت ہو جائے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے (وہ منقطع نہیں ہوتے): صدقہ جاریہ دیا یا

ایسا علم چھوڑا جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا نیک اولاد چھوڑی جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔“  
(مسلم، حدیث نمبر ۴۲۲۳)

اپنے بہن بھائیوں سے یہ چند گزارشات تھیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ ہماری ان ذمہ داریوں کو ہماری قبر میں اتارے جانے سے پہلے احسن طریقے سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

## قرآن کونہ چھوڑیں

قرآن کو پڑھیں۔ ذرا سوچیں اگر قرآن کوئی آسمانی زبان میں ہوتا تو ہم کیا کرتے۔ ہم تو اپنے رب کی کہی ہوئی باتیں بھی نہ جان پاتے اور صرف تختیوں پر یا کاغذ پر لکھا دیکھتے رہتے۔ اس کو ایک دنیوی زبان میں نازل کرنے کی وجہ ہی یہ ہے کہ اللہ پاک چاہتا ہے کہ ہم اس کو پڑھیں۔ یہ ہمارے لئے کتنی بڑی بات ہے اور کس قدر شکر کا موقع ہے کہ یہ قرآن اس دنیا کی ایک زبان یعنی عربی میں نازل ہوا ہے۔

سبحان اللہ! اب ہم اسے پڑھ سکتے ہیں۔ غور کر سکتے ہیں۔ ہدایت لے سکتے ہیں۔ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں اس سے رہنمائی اخذ کر سکتے ہیں۔ شادی بیاہ، اولاد، جان، مال، کاروبار، انسانیت، اخلاقیات، برائیوں سے بچنے کا علم، اور بہت کچھ۔ غرض اس میں ہمارے لیے سب ہی کچھ ہے۔ اللہ قرآن میں فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ جِئْتَهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

”اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علمِ کامل سے بہت واضح کر کے بیان کر دیا ہے۔ وہ ذریعہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں۔“ (سورۃ اعراف، آیت نمبر ۵۲)

لہذا اللہ کا شکر ہم پر واجب ہے۔

اب جب قرآن ہم تک آسان زبان میں پہنچ گیا ہے تو اس کا پڑھنا بھی ضروری ہے اور عمل کرنا بھی۔ لہذا قرآن پڑھنے کو اپنی روزمرہ کی زندگی کا حصہ بنائیے۔ مبادا ہمارا شمار ان میں نہ ہو جائے جنکے بارے میں قرآن میں ذکر ہے کہ قیامت میں اللہ سے ہمارے رسول ﷺ فرمائیں گے:

وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ إِنَّا قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا

"اور رسول کہیں گے، اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ (سورۃ فرقان، آیت ۳۰)

اللہ نہ کرے کہ ہمارا شمار ان میں ہو، لہذا اسے پڑھیے۔ آج ہمیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس کے پڑھنے سے ہمیں ہدایت و رہنمائی ملے گی۔ جیسا کہ الحمد شریف کے بعد پہلا ہی خطاب اللہ کا اپنے بندوں سے ہے کہ ”الْحَمْدُ۔ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔“ (سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲) مگر ہم مصروفیت کے باعث قرآن پڑھ نہیں پاتے اور کئی کئی مہینے گزر جاتے ہیں کہ ہم نے ترجمے کے ساتھ کچھ آیات قرآن کھول کر تلاوت کی ہوں۔ بس جو نماز میں الحمد شریف اور آخری چند سورتوں میں سے کچھ پڑھ لیا وہی ہمارے روزمرہ کے معمول کا حصہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس غفلت کا مداوا ضروری ہے۔ دیکھیں، نیت کے ساتھ ہدف بنا کر عمل کریں گے تو وقت نکل آئے گا۔ یہاں پر اس کے لئے تین طریقے وضع کیے گئے ہیں۔ ان میں سے جو آپ کے معمول سے مناسبت رکھتا ہو، اسے آپ اپنا سکتے ہیں۔ انشاء اللہ آپ قرآن سے ترجمہ کے ساتھ منسلک ہو جائیں گے۔

## نمبر ۱: پانچ سے دس منٹ روزانہ کوئی وقت مقرر کر لیں

یہ کوئی بھی وقت ہو سکتا ہے۔ مثلاً دوپہر میں کھانے کے اور نماز کے وقفے کے دوران جب نظر پڑھیں تو مسجد ذرا جلدی چلے جائیں اور پانچ منٹ ترجمے کے ساتھ وہیں مسجد میں چند آیات تلاوت کر لیں۔ قطرہ قطرہ دریا ہوتا ہے۔ شروع کریں گے تو آگے بڑھتے جائیں گے۔ چاہے چند آیات روزانہ کے حساب سے ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر شروع ہی نہ کر سکے تو حاصل صفر ہی رہے گا۔ لہذا کوشش کریں اور شروع کریں۔ چاہے روزانہ کی ایک آیت ترجمے کے ساتھ پڑھیں۔ نیت کریں، تہیہ کریں۔ اسباب ضرور بنیں گے۔ وقت نکل آئے گا۔ مگر خیال رہے کہ وقفے کے وقت سے تجاوز نہ کریں۔ اسی طرح وقفے سے پہلے نماز کی تیاری شروع نہ کریں۔ اس سے دوسرے لوگ خصوصاً جن کے آپ ماتحت ہیں سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ نمازی وقفے کے مقررہ وقت کا خیال نہیں رکھ رہے۔

## نمبر ۲: مسجد میں نماز کے بعد روزانہ تعلیم قرآن میں حصہ لیں

بعض مساجد میں امام صاحبان نے روزانہ کی بنیاد پر کچھ وقت رکھا ہوتا ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد قرآن کی تلاوت، ترجمہ اور تفسیر نمازیوں کو بتائیں گے۔ اکثر یہ فجر یا عشاء کے بعد ہوتا ہے۔ دیکھیں کیا آپ کی قریبی مسجد میں اس کا انتظام ہے اور کیا آپ اس کے لئے روزانہ وقت دے سکتے ہیں۔ اگر ہاں تو بہت ہی خوب ہے۔

## نمبر ۳: سفر کے دوران یعنی کام پر آتے یا جاتے

### ہوئے

یہ بھی ایک بہترین موقع ہوتا ہے۔ بس میں بیٹھے یا خود گاڑی چلاتے ہوئے ریڈیو پر کسی چینل کو لگالیں۔ بعض چینلز پر ترجمہ و تلاوت قرآن صبح کے اوقات میں چل رہی ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی گاڑی میں قرآن کی سی ڈی (CD) رکھ لیں یا اپنے موبائل میں محفوظ شدہ قرآن کے ذریعے اپنا تعلق روزانہ کی بنیاد پر قرآن سے قائم کر لیں۔

ان کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی اور مناسب طریقہ روزانہ کی بنیاد پر اپنانا چاہیں تو اپنا سکتے ہیں۔ بس مصمم ارادہ کرنا ہے۔ پہلا قدم اٹھانا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ فرماتے ہیں۔ ”جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس سے قریب ہوتا ہوں۔ اور جب بندہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اور جب وہ میرے پاس چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔“ (بخاری، حدیث نمبر ۵۳۶۷)

بس آپ نے ہمت کرنی ہے۔ ارادہ پختہ کرنا ہے۔ انشاء اللہ قرآن اور اس کا ترجمہ پڑھنے یا سننے کے اسباب اللہ خود پیدا کر دیں گے اور پھر آپ کا رابطہ قرآن سے جڑ جائیگا، جو راہ ہدایت ہے اور ہدایت کسے نہیں چاہیے؟ تو آئیے آج ہی سے اس کی ابتداء کریں۔ انشاء اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے قرآن پڑھا اور اسے یاد رکھا، جس چیز کو قرآن نے حلال ٹھہرایا اسے حلال جانا اور جس چیز کو قرآن نے حرام ٹھہرایا اسے حرام سمجھا تو اللہ اسے اس قرآن کے ذریعہ جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور اس کے خاندان کے دس ایسے لوگوں کے بارے میں اس کی سفارش قبول کرے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔“ (ترمذی، حدیث نمبر ۲۹۰۵)

## پیشہ ورانہ ماحول میں خواتین کا خیال

ہمارے ملک میں خواتین، مردوں کے ہمراہ آفس، کالج، یونیورسٹی، فیکٹری غرض ہر جگہ کام کرتی ہیں۔ ایک متحرک اور ترقی پذیر معاشرے کا یہ جزو لاینفک ہے۔ پہلے صرف مرد گھر سے باہر کام کرتے تھے اور خواتین زیادہ تر گھروں میں رہتی تھیں۔ مگر اب خواتین تقریباً معاشی زندگی کے ہر شعبے میں کام کر رہی ہیں۔ اس بدلتی صورت حال کو اچھے طریقے سے آگے بڑھانے کے لیے ہماری اور ان کی کچھ ذمہ داریاں بھی سامنے آئی ہیں۔ جن کو احسن طریقے سے ادا کر کے ہم پاکستان کو ترقی و کامیابی کی عظیم منزلوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اسی طرح اس مخلوط کارگزاری کو ادب اور پاکیزگی سے بھی روشناس کر سکتے ہیں۔ یوں ہمارا معاشرہ کامیاب اور ہم اپنے رب کے حضور سرخرو ہو سکیں گے۔

سب سے پہلے اس یقین کی ضرورت ہے کہ ہر نئی صورت حال اپنے ساتھ کچھ ذمہ داریاں لے کر معاشرے میں واقع ہوتی ہے۔ اگر آپ ان کو سمجھ کر، ان کے مطابق عمل کریں تو وہ نئی صورت حال آپ اور آپ کے معاشرے کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر، آپ کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے اور اس کے ثمرات اجتماعی زندگی میں حاصل

ہوتے ہیں۔ دوسری طرف اگر ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہوا جاسکے، جو بدلتی صورت حال اپنے ساتھ لاتی ہے، تو معاشرے میں ابتری اور بے چینی کی فضا جنم لیتی ہے۔

ہم یہاں پر قرآن و سنت سے رہنمائی لیں گے۔ تو آئیے دیکھیں قرآن و سنت ہمیں اس بدلتی صورت حال کے بارے میں کس طرح رہنمائی فراہم کر رہے ہیں۔ قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ خواتین و حضرات باہم کسی جگہ ہوں تو انہیں کیا کرنا ہے۔ سورۃ نور آیت نمبر ۳۰ میں ہے ”مسلمان مردوں کو کہئے کہ اپنی نگاہیں پست کریں (کم کریں) اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے پاکیزگی کا موجب ہے۔ بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہی“۔

آیت نمبر ۳۱ میں اسی طرح کی بات خواتین کے لیے کہی جا رہی ہے۔ اس پر غور کیجئے۔ نگاہ کے ذکر سے متصل ذکر شرمگاہ کی حفاظت کا ہے۔ یعنی ایسی نگاہ جس میں نفس کی خواہش کا عنصر شامل ہو وہ ساتھی صنف مخالف پر نہ ڈالیں۔ خواہش کے عنصر کے بغیر کبھی نگاہ پڑ جائے تو جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ اُس نظر کو فالو (Follow) نہ کریں، یعنی دوبارہ نہ ڈالیں۔

(ابوداؤد، حدیث نمبر ۱۲۱۴۹ اور صحیح مسلم، حدیث نمبر ۵۶۴۴)

غرض اسلام رہتی دنیا تک کے لیے قابل عمل ہے۔ معاشرے کی موجودہ صورت حال، جس میں خواتین و حضرات کثرت سے دفاتر، فیکٹریوں، ہسپتالوں، کالج، یونیورسٹی میں کام کریں گے، ہمارے رب کو بخوبی معلوم ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قرآن،

جس کے بارے میں خود قرآن کہتا ہے کہ ”اس میں ہر چیز کا تفصیلی علم موجود ہے“ ہماری اس صورت حال میں رہنمائی کر رہا ہے۔

اسی طرح مرد حضرات کی ذمہ داریوں میں ہے کہ وہ خواتین کے ساتھ بدسلوکی نہ کریں۔ اُن کو آسانی سے اپنا کام کرنے کے لیے مناسب ماحول فراہم کریں۔ اُن کی پرائیویسی کا خیال رکھیں۔ اس کے لیے ہماری رہنمائی حدیث ہے کہ ”جو اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو اور جسے اپنے لیے پسند نہیں کرتے اُسے دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو“۔ (مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۴۸)

ذرا سوچئے! ایک مرد جب دفتر میں خواتین کے ہمراہ کام کر رہا ہوتا ہے تو کیا اُس کی بیوی، بہن یا بیٹی کسی دوسرے دفتر میں، فیکٹری میں یا ہسپتال وغیرہ میں کام نہیں کر رہی ہوتی۔ اگر نہ بھی کر رہی ہو، تو یہ سوچنا اُس کے لیے کافی ہے کہ اگر کر رہی ہوتی اور اُس کے ساتھ بدسلوکی یا بلاوجہ کی پریشانی یا بد نظری وغیرہ ہوتی تو وہ خود کیسا محسوس کرتا۔ بس اس حدیث کے تناظر میں یہ سوچ پوری طرح ہمارے معاشرے میں مخلوط صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے مشعل راہ ہے۔ سبحان اللہ کہ اس حدیث میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ایک واضح راستہ دکھا دیا گیا ہے کہ پاکستانی معاشرے میں مردوں کو کس طرح اپنی ساتھی خواتین کے ساتھ پیشہ ورانہ ماحول میں رہنا ہے۔ اگر آپ کسی مرد کی طرف سے بلاوجہ کی گپ شب یا مزاح اپنی بیٹی، بیوی یا بہن کے لیے پسند نہیں کرتے تو خود بھی دوسروں کے لیے اس بات کا خیال رکھیں۔

اسی طرح خواتین کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔

بات کرتے وقت قرآن کے الفاظ میں اس بات کا خیال رکھیں، جیسے ازواجِ مطہراتؓ سے کہا: ”اگر تم پر ہیزگاری کرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے۔ ہاں اچھی بات کہو“۔ (سورۃ احزاب، آیت نمبر ۳۲)

غور کریں کہ ہماری رہنمائی کے لیے کیا خوب باتیں ہیں۔ اس زمانے اور بدلتے ہوئے معاشرے کی ضروریات کے عین مطابق۔ ہمارا معاشرہ ایک دیندار اور مشرقی معاشرہ ہے۔ قابلِ عزت خواتین کی بے حد عزت کرتا ہے۔ اگر آپ خواتین خود احتیاط کریں گی اور مردوں سے بلاوجہ بات چیت نہ کریں گی اور جب کریں گی تو ملائمت کے عنصر کو ہٹا کر کریمگی، تو یاد رکھیں کسی مرد کی مجال نہ ہوگی کہ آپ کے ساتھ بدتمیزی کرے یا آپ کے بارے میں غلط سوچے۔ اگر کوئی مریض ذہنیت کا حامل ایسا کرنے کی کوشش بھی کریگا تو دوسرے مرد بخوبی اُس کی اصلاح کر دیں گے۔ یاد رکھیے! شریف مرد باغیرت ہوتے ہیں اور بیہودہ مردوں کے خلاف آپ کی آپ کے پیچھے حفاظت کرتے ہیں۔

مگر اگر آپ خود ریلکس (Relax) ہو گئیں تو پھر فائدہ اٹھانے والا بھی بے باک ہو جائیگا اور باغیرت مرد بھی یہ کہہ کر خاموش ہو رہیں گے کہ خود پرواہ نہیں کرتیں تو ہم کیا کریں۔ لہذا آپ کی عزت اور باعزت طور پر پیشہ وارانہ ماحول میں (ورک پلینس پر) کام کرنے کی دُوری اللہ نے آپ خواتین کے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ لہذا آپ اپنے اٹھنے بیٹھنے کا خیال رکھیں۔ بات چیت کا خیال رکھیں اور سب سے بڑھ کر اپنے

لباس کا خیال رکھیں۔ قرآن کے الفاظ میں صحیح لباس اس بات کی پہچان ہے کہ آپ ورک پلیس پر باعزت ماحول کی متلاشی ہیں یعنی قرآن کے الفاظ میں ”تا کہ ستائی نہ جائیں۔“ (سورۃ احزاب، آیت نمبر ۵۹)

اسی طرح سورۃ نور آیت نمبر ۳۱ لباس کے متعلق ہماری یوں رہنمائی کرتی ہے۔ ”اور کہیے مومن خواتین سے کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنی زینت نہ دکھائیں سوائے اُسکے جو ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔“

اسی طرح خوشبو استعمال کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ خوشبو اطراف میں پھیل کر مردوں کو متوجہ نہ کرے۔ چلنے میں قدم آہستگی سے رکھیں۔ قرآن کے الفاظ میں یہ اس طرح ہے ”اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے اُن کا مخفی سنگھار۔“ (سورۃ نور، آیت نمبر ۳۱)

غرض ان باتوں کا خیال رکھنے سے آپ ورک پلیس پر اپنے ارد گرد کے ماحول میں ایک واضح تبدیلی محسوس کریں گی۔ ایک خوش گوار تبدیلی جو آپ کو محفوظ ہونے کا احساس دلائے گی۔ اور آپ کو اور آپ کے ساتھ کام کرنے والے مرد حضرات کو ہر قسم کی آزمائش اور پریشانیوں سے محفوظ رکھ سکے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

## بیرون خانہ مصروفِ عمل اپنی بہنوں کے نام

آج کے دور میں بدلتے رنگ ہمارے لباس پر بھی اثر انداز ہوئے ہیں۔ لباس جہاں جسم کو ڈھانپتا ہے وہاں معاشرے میں ہمیں متعارف بھی کراتا ہے۔ ہماری خواہش ہوتی ہے کہ ہم زمانے کے مطابق نظر آئیں۔ یعنی Forward looking and dynamic۔ اس کے ساتھ ہمارے اندر سے یہ آواز بھی آتی ہے کہ ہم ایک حد تک ہی نئے انداز کی پیروی کر سکتے ہیں اور اس کی وجہ ہمارے اندر کا حیا، نیکی اور استقامت کا جذبہ ہے۔

آئیے دیکھیں کہ ہم کس طرح کا لباس اپنا سکتے ہیں تاکہ اوپر دیے گئے یہ تمام مقاصد پورے ہو جائیں۔ انسان میں، خصوصاً خواتین میں شرم و حیا فطری (Natural) ہوتی ہے۔ جیسے کمپیوٹر کا سوفٹ ویئر۔ یہ بیرونی اثرات یعنی Virus کے ذریعے ہی خراب (Corrupt) ہوتا ہے۔ ہم جس قدر اپنے سوفٹ ویئر (Software) کی حفاظت کریں گے، اسی قدر بیرونی اثرات سے محفوظ رہیں گے۔ یعنی ہماری فطری (Natural) حیا قائم رہے گی۔

فطری حیا کے تقاضوں کے مطابق اور اسے قائم رکھتے ہوئے ہمیں ایسا

لباس اپنانے کی ضرورت ہے جس کی بدولت ہم معاشرے میں خود اعتمادی سے متحرک بھی ہو سکیں یعنی Confidently move بھی کر سکیں اور اپنے اندر نیکی اور استقامت کے جذبے کو بھی قائم رکھ سکیں۔ اس کے لیے ہمیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔

ہر مشین (Equipment) کا استعمال جب ہم اُس کے مینول (Manual) کے مطابق کرتے ہیں تو وہ ٹھیک کام یعنی آپریٹ (Operate) کرتی ہے۔ گو انسان مشین نہیں، مگر اُسے بھی معاشرے میں ٹھیک آپریٹ کرنے کے لیے رہنمائی کی ضرورت ہے اور رہنمائی مینول (Manual) سے حاصل کی جاتی ہے۔

ہمارے پاس ہمارے رب کا دیا ہوا یعنی ہمارے خالق (Manufacturer) کا مینول موجود ہے اور ہمیں علم ہے کہ Manufacturer کے Manual سے بہتر کسی چیز کو چلانے (Operate) کرنے کے لیے کوئی اور Manual نہیں ہو سکتا۔ لہذا دیکھتے ہیں کہ ہمارا خالق (Manufacturer) لباس کے سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی کر رہا ہے۔ ہم اس Manual کی فہرست (Contents) میں جاتے ہیں، وہاں دو ابواب (Chapters) کی ہیڈنگ تلاش کرتے ہیں اور پھر ان ابواب (Chapters) سے متعلقہ اجزاء (Relevant Contents) پڑھ لیتے ہیں۔ یہ ابواب (Chapters) سورۃ نور اور سورۃ احزاب ہیں۔

سورۃ احزاب، آیت نمبر ۵۹ ”اے نبی ﷺ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہیں کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈالے رہیں، یہ امر اُن کے لیے باعث شناخت ہو اور ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

سورۃ نور، آیت نمبر ۳۱ ”اور کہیں مومن خواتین سے کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنی زینت نہ دکھائیں سوائے اُس کے جو ظاہر ہے، اور دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔“

Manufacturer Manual سے ہم نے وہ دونوں آیات جو خواتین کے معاشرے میں لباس کے اسلوب کے متعلق ہیں نقل کر دی ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ آیات زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم حد یعنی Upper Limit (سورۃ احزاب، آیت ۵۹) اور Lower Limit (سورۃ نور، آیت نمبر ۳۱) کا تعین کر رہی ہیں۔

Upper Limit یعنی چہرہ ڈھنپ جائے اور Lower Limit یعنی چہرہ، ہتھیلیاں اور پیر (ٹخنوں سے نیچے) کھلے رہ سکتے ہیں۔ ان کے کھلے رکھنے کی رعایت سورۃ نور، آیت نمبر ۳۱ کے الفاظ: ”جو ظاہر ہے“ کی تفسیر از علامہ شبیر احمد عثمانی سے ماخوذ ہے۔

ہم یہاں آپ ﷺ کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کام سے میں تمہیں منع کروں، اُس سے اجتناب کرو اور جس کام کے کرنے کو کہوں اُس کو جہاں تک تم سے ہو سکے بجالاؤ“ (مسلم، حدیث نمبر ۶۱۱۳)۔ یہاں

خواتین کے لباس کے معاملے میں، سورۃ نور آیت ۳۱ میں، کسی بات سے منع کیا جا رہا ہے یعنی ”جو ظاہر ہے“ اس سے زیادہ کھلا نہ رہے۔ جبکہ سورۃ احزاب آیت ۵۹ میں کچھ کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”حیا خیر ہی لاتی ہے“ (مسلم، حدیث نمبر ۱۵۶) اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا ”ہر دین کی ایک خاص صفت ہوتی ہے اور اسلام کی صفت حیا ہے۔“ (مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۵۰۹۰)

یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ لباس باریک نہ ہو کہ جسم یا ٹانگیں نظر آئیں۔ اسی طرح لباس ایسا تنگ نہ ہو کہ اس کے پہننے سے جسم کے حصے نمایاں ہوں۔ قرآن کے الفاظ میں ”دو پٹے سینوں پر ڈالے رہیں“ کی یہی حکمت ہے۔ یعنی گو سینے پر پہلے ہی قمیص ہے مگر قرآن میں دو پٹے سینوں پر ڈالے رکھنے کے لیے کہا جا رہا ہے۔ اسی طرح ایسے لو رز (Lowers) یعنی ٹراؤزرو وغیرہ سے بچیں جن کے پہننے کے باوجود ٹانگیں مزید ڈھانچنے کی ضرورت باقی رہے۔ یعنی ایسے Lower Shape کے خدو خال (Shape) ظاہر کریں اور نظروں کو اپنی طرف کھینچنے والے (Eye Catching) ہوں۔

یہاں ہم اُن فیشن ڈیزائنرز اور خواتین کے کپڑے بنانے والے اداروں کو بھی تنبیہ کرنا چاہتے ہیں، جو اس طرح کے نت نئے لباس یا باریک کپڑے متعارف کراتے ہیں، جن کو معاشرے میں رواج دینے سے اوپر دی گئی اللہ کی ہدایات پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وہ Advertisers بھی قابلِ مزمت ہیں جو ٹیلی وژن اور

دوسرے ذرائع ابلاغ پر اشتہارات میں بے حیائی کو فروغ دیتے ہیں اور اُن کے معاونین بھی۔ اس کے لیے ایک بار پھر ہماری نظر قرآن کی طرف رجوع کرتی ہے، جو زندگی گزارنے کا مینول ہے۔

قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے ”بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، اُن کے لئے دردناک عذاب ہے، دنیا میں اور آخرت میں۔“  
(سورۃ نور، آیت نمبر ۱۹)

پیاری بہنو! اللہ کی بات ماننے میں ہمارا بھلا ہے۔ اللہ خواتین کے لباس کے بارے میں خود کہہ رہے ہیں: ”تا کہ ستائی نہ جائیں“۔ آپ بہنیں ہمارے لیے پھولوں سے کم نہیں۔ کون بھائی پسند کریگا کہ آپ کو ایسی نظروں کا سامنا ہو جو بُری ہوں۔ دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہیں، اچھے بھی اور برے بھی۔ ہم بُروں کی بُری نظر نہیں روک سکتے، مگر خود مناسب طریقے سے لباس پہن کر بُری نظروں سے حفاظت میں ضرور آسکتے ہیں۔ انشاء اللہ۔

اللہ ہمیں صحیح فکر عطا کرے اور ہمت دے کہ ہم لباس کے معاملے میں وہ طریقہ اختیار کریں جس میں ہماری بھلائی ہے۔ جس کو پہن کے نہ صرف ہم با اعتماد (Confident) نظر آئیں بلکہ اپنے پروردگار کی اطاعت کر کے آئندہ کی زندگی کے لیے بھی سامان کر سکیں۔ آمین۔

القرآن: ”اے بنی آدم ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانپنے اور تمہارے جسم کو زینت دے۔ اور جو پرہیزگاری کا لباس ہے وہ سب سے اچھا ہے۔ اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں۔“ (سورۃ اعراف، آیت نمبر ۲۶)

## بداخلاقی سے بچنے کا طریقہ

یہ اللہ کا طریقہ کار ہے کہ ”اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا (یا مکلف نہیں کرتا)“ (سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲۸۶)

اسی طرح اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ”اللہ کے طریقے میں آپ تبدیلی نہ پائیں گے“ (سورۃ احزاب، آیت نمبر ۶۲)۔ یعنی اللہ کا کوئی طریقہ تبدیل نہیں ہوتا۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ہم کبھی ایسے حالات (Situation) میں آجاتے ہیں جو ہم سے سنبھالے نہیں جاتے یعنی ہینڈل نہیں ہو پاتے اور ہم آخر میں اپنے برے ردِ عمل (Response) کی بدولت پچھتاوے یا شرمندگی سے دوچار ہوتے ہیں۔

سوچنے کی چیز ہے کہ قرآن کی بات اللہ کی کہی ہوئی بات ہے اور وہ غلط نہیں ہو سکتی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم سے بعض حالات (Situation) میں تکلیف برداشت نہیں ہو پاتی اور ہم ایسا جواب دیتے ہیں جو بعد میں ہمیں خود یہ احساس سے دوچار کرتا ہے کہ اس (Situation) کو بہتر طریقے سے حل کیا جاسکتا تھا۔ یعنی ہم سے جواب (Response) میں جو کوتاہی ہوئی، یعنی جو بداخلاقی سرزد ہوئی، اُس سے بچا جاسکتا تھا۔

در اصل بات یہ ہے کہ جو Situation ہمیں پیش آتی ہے یا جس چیز کے ہم مکلف بنائے جاتے ہیں وہ یقیناً ہماری پہنچ میں ہوتی ہے۔ پھر آخر کیوں ہم اس سے اچھی طرح عہدہ برائیں ہو پاتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم Situation کے آنے پر تحمل اور صبر کا دامن چھوڑ دیتے ہیں، غصے میں آجاتے ہیں، کسی خوف سے دوچار ہو جاتے ہیں، گھبر جاتے ہیں یا پھر اپنی انا کے تحت ایسا ردِ عمل (Response) دے بیٹھتے ہیں جو ہمیں نہیں دینا چاہیے تھا۔

دیکھیں جو Situation پیش آئی وہ قرآن کے مطابق ہماری وسعت میں تھی یعنی ہم کسی ایسی چیز کے مکلف نہیں کئے گئے تھے جس سے ہم عہدہ برانہ ہو سکیں۔ صرف بات یہ تھی کہ ایک صحیح راستہ جو اس Situation سے نکلنے کا تھا، اُس پر ہم نے غور نہ کیا اور جذبات میں، غصے میں، کسی خوف کے زیر اثر، ایسا Response دیا جو نہیں دیا جانا چاہیے تھا۔ ایک راستہ یقیناً ایسا تھا، اللہ کے قول کے مطابق، جسکو اپنا کر ہم اس Situation یا مکلف کئے گئے حالات سے بخوبی نکل سکتے تھے۔ مگر ہم نے جلد بازی کی، اُس صحیح راستہ کی جانب جانے پر غور نہ کیا، اُس کو نہ اپنا یا اور جذبات میں اپنا ایک غلط Response دے دیا۔ مثلاً کسی دوست نے پیسے مانگے تو ہم نے غیر مناسب رویہ کسی خوف کے تحت اپنا لیا۔ کسی نے کسی بات کی شکایت کی تو ہم غصے میں آکر لڑ پڑے یا کسی نے پلٹ کر کوئی جواب دیا تو ہم سے رہانہ گیا اور ہم نے اسکی ایسی تیسی کر ڈالی۔

لہذا بہتر (Response) کے لئے سب سے پہلے اپنے آپ کو ایک

مستقلاً حکم Standing Order دے کر رکھیں کہ میں اخلاق کا دامن کسی صورت نہیں چھوڑوں گا۔ دیکھیں جب آپ نے اپنے آپ کو یہ مستقلاً حکم دے دیا تو انشاء اللہ آپ خود کار طور پر کسی Situation کے اچانک نمودار ہونے پر برا Response نہ دے سکیں گے۔ بلکہ ایک لمحے کے لئے سوچیں گے اور اس کے بعد ہی کچھ Response دیں گے۔ بس یہ وہی لمحہ ہوگا جس میں آپ نے اخلاق کا دامن تھامتے ہوئے، توقف کے ساتھ، سوچ کر کوئی بہتر Response دینا ہوگا۔

دیکھیں ہر حال Situation یا معاملہ جو پیش آئے گا اس کا صحیح Response آپ کی پہنچ میں ہوگا یہی لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (ترجمہ: اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) کا مطلب ہے۔ بس آپ نے فوراً رد عمل دینے یعنی React کرنے کے بجائے اُس Situation کے صحیح Response کو ڈھونڈنا ہے۔ جب آپ ایک لمحے کے لئے رکیں گے تو اندر سے آپ کو ہدایت ملے گی۔ شرط یہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو مستقلاً حکم یہ دے کر رکھنا ہے کہ میں بد تمیزی نہیں کروں گا، خوف کے زیر اثر برا جواب نہ دوں گا۔ انا کو بیچ میں نہ آنے دوں گا۔ غصہ نہ ہوں گا۔ یہ حکم (Order) جب آپ نے اپنے آپ کو دیا ہوا ہوگا، تو پھر آپ کو وہ راستہ بھی نظر آجائے گا جو صحیح ترین ہوگا اور انشاء اللہ آپ ہر Situation سے بہتر طریقے پر نکل آیا کریں گے۔

لہذا آج ہی سے ابتداء کریں۔ اپنے آپ کو یہ مستقلاً حکم (Standing order) دے دیں کہ اخلاق کا دامن نہیں چھوڑنا، خوف کو دور رکھنا

ہے، انا کی پیروی نہیں کرنی، غصہ میں نہیں آنا، بدتمیزی نہیں کرنی، اور اللہ سے مدد مانگنی ہے۔ اسی طرح روزانہ رات کو سونے سے پہلے دن بھر کے اپنے Responses پر غور کریں۔ اس سے درستگی میں آسانی ہوگی۔

شروع میں کچھ غلطیاں ہونگی مگر انشاء اللہ آہستہ آہستہ آپ کے Response بہتر سے بہتر ہوتے چلے جائیں گے اور ایک وقت آئے گا جب آپ کے تمام Response ٹھیک ہو جائیں گے، انشاء اللہ۔ یہ وہ وقت ہوگا جب آپ ایک شاندار، بااخلاق، باعمل اور درست سمت اختیار کر لیں گے اور آپ کا سفر امن و صلح جوئی کی طرف شروع ہو جائے گا۔ اخلاقیات کی جانب۔ اچھے عمل کی جانب۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے درمیان رزق کو تقسیم کیا ہے، اسی طرح اُس نے تمہارے مابین تمہارے اخلاق کو بھی تقسیم کیا ہے اور بیشک اللہ دنیا اُس کو بھی عطا کر دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اس کو بھی عطا کر دیتا ہے، جس سے وہ محبت نہیں کرتا۔ لیکن دین صرف اُس کو عطا کرتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور جس کو اللہ نے دین عطا کیا اُس نے یقیناً اُس سے محبت کی۔“

(مُسند احمد، حدیث نمبر ۹۱)

دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو اعلیٰ اخلاق عطا فرمائے۔ آمین۔

## داماد کیسا ڈھونڈیں

بیٹیاں کسے عزیز نہیں ہوتیں۔ لاڈ پیار سے پالی گئی بیٹی جب بڑی ہوتی ہے تو جو خیال والدین کے ذہن میں اس کی پیدائش کے پہلے دن آیا تھا وہ اب بہت زیادہ آنا شروع کر دیتا ہے۔ یعنی کہ اب اسے رخصت کرنا ہوگا۔ جہاں اس خیال میں اداس ہونے کا عنصر ہوتا ہے وہاں اللہ سے دعا بھی کہ اس کا شوہر قدر کرنے والا ہو، اچھا سلوک کرنے والا ہو، خیال رکھنے والا اور محبت کرنے والا ہو۔ مگر جب رشتے آنے لگتے ہیں تو اس دعا کے پورے ہونے کے لئے ظاہری اسباب پر نظر لگ جاتی ہے۔ یعنی ہونے والا شوہر امیر ہو، اس کی اچھی ملازمت (Job) یا کاروبار ہو، خوبصورت ہو اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو۔

یوں ماں باپ اپنی دعا کے پورا ہونے کے لئے ان ظاہری اسباب پر تکیہ کرتے ہیں اور انہیں آنے والے رشتوں میں تلاش کرتے ہیں۔ عمومی انداز انتخاب اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ نوکری، خوبصورتی اور اعلیٰ خاندان ہوتا ہے کہ بظاہر یہ ان کی بیٹی کو وہ سب کچھ دلا سکتا جس کی ان کو اپنی بیٹی کے لئے خواہش ہے یعنی محبت، اچھا سلوک، حقوق کا خیال اور عزت۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اسلئے کہ اگر کوئی چیز آپ کی بیٹی کو یہ سب کچھ دلا سکتی ہے جسکی کہ آپ کو خواہش ہے تو وہ ہونے والے داماد کا آپ کی بیٹی کیلئے، بطور اپنی بیوی کے، خیر خواہی کا جذبہ ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے ”الدِّينُ النَّصِيحَةُ“ یعنی ”دین خیر خواہی چاہنے کا نام ہے۔“ (مسلم، حدیث نمبر ۱۹۶)

مراد ہے کہ جو دوسروں کا خیر خواہ ہے وہ دین دار ہے۔

لہذا اپنے ہونے والے داماد میں اچھی تعلیم، اچھی نوکری یا اچھا کاروبار، خوبصورتی اور اعلیٰ خاندان ضرور بالضرور دیکھیں لیکن ہونے والے داماد کی اس صفت کا ضرور معلوم کر لیں کہ وہ اپنے ماحول میں خیر خواہ ہے کہ نہیں۔ کیونکہ خیر خواہی چاہنے والا شخص آپ کی بیٹی کا بھی خیر خواہ ہوگا اور جب خیر خواہ ہوگا تو بہترین سلوک کی کوشش کریگا۔ جس کی کہ آپ کو خواہش ہے۔

اب غور کریں کہ دینداری کیسے دیکھی جائے۔ اس کے لئے یہ دیکھیں کہ اگر ڈاکٹر ہے تو مریضوں کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ ہے کہ نہیں۔ اگر معلم ہے تو طالب علموں کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ ہے کہ نہیں۔ اگر تاجر ہے تو معاشرے میں خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہے کہ نہیں۔ اگر نوکری پیشہ ہے تو اپنے ماتحتوں اور اپنے ادارے کے ساتھ خیر خواہ ہے کہ نہیں۔ اگر سرکاری ملازم ہے تو ملک اور قوم کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ ہے کہ نہیں۔

اسی طرح گھر میں بہن بھائیوں کا خیر خواہ ہے کہ نہیں۔ کیا اس کی شہرت (Reputation) لوگوں کے بدخواہ کی تو نہیں ہے؟ کیا عمومی طور پر لوگ اس کو خیر خواہ سمجھتے ہیں۔ کیا اس سے انہیں تکلیف تو نہیں پہنچتی۔ محلے میں اس کے متعلق کیا سوچ ہے۔ اسکے دوست اس کی خیر خواہی سے مستفید ہوتے ہیں یا نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یقین رکھیں کہ اگر اس کی فطرت میں خیر خواہی ہے تو وہ دیندار ہے۔ اس لئے کہ ”دین خیر خواہی چاہنے کا نام ہے“ اور اسکی یہ خیر خواہی کی فطرت آپ کی بیٹی کی اگلی زندگی کی خوشگواہی کا ضامن ہوگی۔ انشاء اللہ۔ لہذا اپنے ہونے والے داماد میں

خیر خواہی کی صفت کو مقدم رکھیں۔

یہاں ہم ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔ گو حدیث نکاح کے لئے لڑکی کی صفات سے متعلق ہے مگر اسمیں جو چار باتیں بیان کی گئی ہیں اور جس بات کو فوقیت دی گئی ہے وہ ہم داماد کیلئے بھی اخذ کر سکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”عورت سے نکاح چار چیزوں کے باعث کیا جاتا ہے۔ اسکی دولت، اس کا خاندان، اس کی خوبصورتی، اور اس کا دین۔ اور تم دیندار کو حاصل کر کے کامیاب ہو جاؤ۔“ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۵۳۶۳)

دیکھیں نفی نہ دولت کی ہے، نہ اعلیٰ خاندان کی اور نہ ہی خوبصورتی کی، مگر فرمایا کہ لڑکی کی دینداری کو مقدم رکھو۔

اور اس حدیث سے پہلے جو حدیث بیان ہوئی اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ ”دین خیر خواہی چاہنے کا نام ہے۔“ یہ ارشاد دُن کر آپ ﷺ سے صحابہ نے سوال کیا کس کے ساتھ؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کے ساتھ، اسکی کتاب کے ساتھ، اسکے رسول ﷺ کے ساتھ، مسلمانوں کے قائدین اور عام مسلمانوں کے ساتھ“ (مسلم، حدیث نمبر ۱۹۶)

لہذا جو دیندار ہوگا وہ خیر خواہ ہوگا۔ فرائض بجالاتا ہوگا، اپنے قائدین کے ساتھ خیر خواہ ہوگا اور تمام لوگوں کا خیر خواہ ہوگا۔ غرض ہر ایک کے لئے خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہوگا۔ لہذا اگر آپ اپنی بیٹی کے لئے ایسے داماد کی خواہش کرتے ہیں جو خیال رکھنے والا ہو، محبت کرنے والا ہو، حقوق ادا کرنے والا ہو، تکلیف پہنچانے والا نہ ہو، تو پھر داماد بننے کے خواہش مند حضرات میں خیر خواہی چاہنے کا جذبہ تلاش کریں۔

اس کے لئے ہونے والے داماد سے ملاقات (Interview) کے دوران کچھ اس طرح کے سوالات ہو سکتے ہیں، مثلاً کیا آپ نماز کو اہمیت دیتے ہیں؟ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں؟ اپنے ادارے میں اپنے قائدین کے بارے میں آپکے کیا خیالات ہیں؟ کیا آپ اپنے ادارے کی بہتری چاہتے ہوئے اس بات کی پرواہ بھی کرتے ہیں کہ گاہکوں کو نقصان نہ ہو؟ اگر آپ ڈاکٹر ہیں تو کیا آپ مریض کو تسلی بخش طور پر دیکھتے ہیں؟ اسکی بات غور سے سنتے ہیں؟ اس کو ٹھیک کرنے کا جذبہ کس حد تک کارفرما رہتا ہے؟ کیا آپ کی فیس بہت زیادہ تو نہیں؟ اگر استاد ہیں تو فلاں کالج میں کیوں ہیں؟ تنخواہ زیادہ ہونے کے باعث یا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اسمیں قوم کی بہتر خدمت کر سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

غرض آپکے انٹرویو کا مرکز ہونے والے داماد کے خیر خواہی کے جذبے کو معلوم کرنا ہونا چاہئے۔ اعلیٰ نوکری، اعلیٰ خاندان تو اُس کے پاس ہے تبھی تو آپ نے اُسے انٹرویو کے لئے بلایا ہے۔ اگر نہ ہوتا تو نہ وہ آپکی بیٹی سے شادی کی خواہش کرتا اور نہ ہی آپ اسے اہمیت دیتے۔ اُسکے پاس یہ چیزیں ہیں تبھی آج وہ آپکے گھر آیا ہے۔ لہذا اگر انٹرویو میں انہی چیزوں پر سوالات و جوابات ہوتے رہے یعنی آپ نے اسکے خاندان کے اگلے پچھلے کھ گال ڈالے، نوکریوں کی تفصیل، معاشرے میں نوکریوں کا عمومی چلن، کھانے کا شوق، گاڑیوں کا شوق، بینک سے قرضہ (Loan) لینے کے طریقے، ترقی کے لئے ادارے میں گٹھ جوڑ کی صلاحیت وغیرہ تو آپ لڑکے میں وہ نہ ڈھونڈ سکیں گے جس کی بنیاد پر آپ نے اپنی بیٹی کے حق میں فیصلہ کرنا ہے، یعنی خیر خواہی چاہنے کا جذبہ۔ لہذا اس کے مطابق اپنے سوالات مرتب کیجئے۔ یوں اطمینان کیجئے اور اپنی بیٹی کے حق میں بہترین فیصلہ کیجئے۔

## جب شادی ہو کر جائیں

آج میں اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو کچھ پتے کی بات بتانا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کے کام آجائے، جب آپ شادی ہو کر جائیں۔

نئی جگہ، نئے لوگ، محبت کے نئے انداز۔ ان سے آپ کا سامنا ہوگا جب آپ سسرال میں قدم رکھیں گی۔ اگر آپ ایک خوشگوار ماحول ترتیب دینے میں کامیاب ہو گئیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ دین و دنیا میں کامیاب ہو گئیں۔ آپ سوچ رہی ہوگی کہ ماحول جب دوسروں کا ہے تو اس کو خوشگوار بنانے کے لئے میں آپ کو کیوں کہہ رہا ہوں۔

دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہم کسی کو درست نہیں کر سکتے۔ ہم نے تو حالات کا جائزہ لے کر خود کچھ کرنا ہے۔ تاکہ حالات ہمارے موافق ہو جائیں۔ جی ہاں! ہمیں ہی کرنا ہے۔

لہذا اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ ازدواجی زندگی میں گھریلو تعلقات کی اچھائی یا برائی میں آپ کا کردار سب سے اہم ہے۔ اور اپنے کردار کو صحیح انداز میں ادا کرنا ہی آپ کی ازدواجی زندگی کی کامیابی کا ضامن ہے۔

جب نئے گھر میں مختلف خواتین و حضرات سے سامنا ہوگا تو وہ ایک طرز پر اپنی زندگی کئی سالوں سے گزار رہے ہوں گے۔ وہ اسی طرز پر آپ سے بھی ملیں گے۔ آپ نے تدبیر سے ان کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہوگا۔ بعض حرکات آپ کو عجیب لگیں گی۔ بعض عادات آپ کو اپنے گزشتہ گھر سے ملتی جلتی لگیں گی۔ سو فیصد گزشتہ ماحول ناممکن ہے۔ نہ محبت و ناراضگی کے گزشتہ انداز ہیں اور نہ وجوہات۔ لہذا جو کرنا ہے وہ آپ نے ہی کرنا ہے۔

پہلے تو یہ تہیہ کر لیں کہ میں نے ایک اچھے ماحول میں زندگی بسر کرنی ہے۔ یعنی اپنا مقصد پکا کر لیں۔ اس طرح مقصد (Aim) سامنے رکھ کر کام کا آغاز کریں تو کام کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ پھر ماحول کا جائزہ لیں۔ اس دوران زبان کا استعمال کم سے کم کریں۔ آپ کو حالات بھانپ لینے میں ہفتے دس دن سے زیادہ نہیں لگیں گے۔ نئے لوگوں کی عادات، انداز، خواہشات واضح ہو جائیں گی۔ اور اب آپ اس حال (Position) میں آجائیں گی کہ اپنا لائحہ عمل ترتیب دے سکیں۔ لہذا اللہ سے مدد مانگیں اور یوں عمل کریں۔

## نمبر ۱: فوری رد عمل سے گریز کریں

کسی نے کوئی بات کہہ دی جو آپ کو عجیب بھی لگی اور کچھ ناگوار بھی۔ اس کا فوری جواب یا رد عمل دینے سے گریز کریں۔ حضرت علیؓ کے قول کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ وہ خرابی جو بات کرنے سے پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ مشکل ہے بنسبت اس خرابی کے جو خاموش رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ لہذا فوری رد عمل یا جواب سے

گریز کریں۔ اس سے معاملہ بگڑنے سے بچ جائے گا اور آپ کو موقع مل جائے گا کہ سوچ سمجھ کر پیدا شدہ صورت حال میں مناسب عمل کر سکیں۔

## نمبر ۲: دوسروں کے مخالف انداز سے پریشان نہ ہوں

مخالف انداز کا سامنا کرنے کیلئے اللہ نے اپنے بندوں کی یوں رہنمائی کی ہے۔ سورۃ الاحم سجدہ آیت نمبر ۴۲ اور ۳۵ میں اللہ فرماتے ہیں کہ:

”نیکی اور بدی برابر نہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے ٹالو جو بہترین ہو۔ تو پھر تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ بات نصیب نہیں ہوتی مگر صرف ان لوگوں کو جو صبر و برداشت سے کام لیتے ہیں، اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر صرف ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے خوش قسمت لوگ ہیں۔“

یعنی جو نصیب والے ہوں گے اور جو صابر ہوں گے وہ اس طرح کا طرز عمل اختیار کر کے مخالف انداز والے کو اپنا گرویدہ کر لیں گے۔

آپ یہ کر سکتی ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ والدین نے رخصت کرتے وقت دعا دی تھی کہ ”تیرے نصیب اچھے ہوں“۔ بس اس دعا کی برکت سے آپ کے لئے صبر کرنا آسان ہو جائے گا اور آپ مخالف انداز کو مصالحت میں بدلنے میں انشاء اللہ کامیاب ہو جائیں گی۔

## نمبر ۳: اپنی بات کے رد ہونے پر افسوس نہ کریں

مثلاً آپ گھر کے لئے کچھ بہتر کرنا چاہ رہی تھیں۔ کسی نے رائے دے دی

کہ کیا ضرورت ہے۔ اب آپ نے سوچا کہ میں نے تو تمام گھر کے فائدے میں خلوص سے بات کی تھی۔ یہ کیا، میری بات مسترد کر دی گئی۔ تو ایسی صورت حال کا بالکل برانہ مانیں۔ یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دے دیں کہ بھی ان کے ہاں یہ طریقہ نہیں ہوگا۔ یا کوئی اور بات ہوگی جو مجھے معلوم نہیں۔ اگر مخالفت ہو بھی گئی تو کوئی بات نہیں اور اس پیغام ربانی کو مد نظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

”اور یہ لوگ جو کہتے ہیں، اس پر صبر کرو اور ان کو خوبصورتی سے نظر انداز کرو۔“ (سورۃ منزل، آیت نمبر ۱۰)

## نمبر ۴: اپنے دل کو دوسروں کی طرف سے صاف رکھیں

مراد ہے کہ دوسروں کے لئے اچھا سوچیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہر عمل کا رد عمل ہوتا ہے۔ اگر آپ بغض و حسد کے جذبات کو قریب آنے دیں گی تو یہ عمل، رد عمل کے بغیر خالی نہ جائے گا۔ لہذا رات کو سوتے ہوئے دل و دماغ کو دن بھر کی باتوں سے، لوگوں کے جملوں سے، مختلف انداز جو دیکھنے ملے ان سے، خالی کر کے سونیں۔ نیند بھی اچھی آئے گی اور دوسروں کا سوچ کر جو پریشانیاں ہوتی ہیں وہ بھی نہ ہونگی۔ مثلاً یہ سوچنا کہ اس بات کا کیا مطلب تھا؟؛ یہ عورت کوئی بات خالی جانے نہیں دیتی؛ ’کچھ نہ کچھ تبصرہ (Remarks) دیتی ہی رہتی ہے۔‘ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی سوچوں سے اپنے آپ کو آزاد کریں۔ اور اپنے مقصد (Aim) کو سامنے رکھیں یعنی خوشگوار ماحول قائم کرنے کی کوشش۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”آپس میں قطع تعلق نہ کرو۔ ایک دوسرے سے بے رخی اختیار نہ کرو۔ باہمی دشمنی و بغض نہ رکھو۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے سلام کلام بند رکھے۔“ (ترمذی، حدیث نمبر ۱۹۳۵)

## نمبر ۵: بدگمانی سے بچیں

بدگمانی سے بچیں۔ جہاں تک ہو سکے دوسرے کے عمل یا بات کو مثبت طرف ہی لے جائیں کہ اس کا مطلب برائیاں نہیں ہوگا۔ اگر واقعی اچھا نہ تھا تو کچھ عرصے میں خود ظاہر ہو جائے گا۔ فی الحال بدگمانی کر کے اپنا خون جلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”بدگمانی سے بچتے رہو۔ بے شک بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔“ (بخاری، حدیث نمبر ۶۰۶۶)

## نمبر ۶: طبیعتوں کے بخل سے رنجیدہ نہ ہوں

بخل انسان کی فطرت میں ہے۔ یہ صرف مال و اسباب کے سلسلے میں نہیں ہوتا بلکہ طبیعتوں میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کا دل آپ کو فی الحال وقت دینے کا نہیں چاہ رہا؛ کوئی چیز لا کر اکیلے کھانا چاہ رہا ہے؛ کسی کا موڈ ابھی بات کرنے کا نہیں ہے؛ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے طرز عمل سے رنجیدہ نہ ہوں۔ اس کو فطری سمجھیں اور درگزر کریں۔ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعتوں میں بخل ہوتا ہے اور اس سے باز

رہنے والے ہی کامیاب ہیں۔

”اور جو لوگ اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھے گئے تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔“ (سورۃ حشر، آیت نمبر ۹)

## نمبر ۷: اطراف میں ٹوٹے بندھن دیکھتی رہیں

اس سے مراد ہے کہ غلطیوں سے بچیں۔ اللہ قرآن میں فرماتے ہیں۔ ”پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔“ (سورۃ حشر، آیت نمبر ۲)

یقیناً آپ اپنے بندھن کو ٹوٹا دیکھنا نہیں چاہتیں۔ لہذا دوسری خواتین سے سبق سیکھئے جو نباہ نہ کر سکیں یا انکے ساتھ نباہ نہ کیا گیا۔ ہر صورت میں ان کے گھر ٹوٹ گئے۔ لہذا ان سے عبرت حاصل کریں اور خود ان وجوہات اور حالات سے بچنے کی کوشش کریں جن کی بدولت ان خواتین کا اپنے شوہروں سے نباہ نہ ہو سکا۔

## نمبر ۸: شکر کریں

اپنے آپ کو مطمئن (Cool) رکھنے کیلئے یہ بہت ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے خاص آپ خواتین سے بڑے خوب انداز میں خطاب کیا تھا۔ یہ واقعہ کچھ اس طرح ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ جب وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ہمراہ بیٹھی تھیں تو وہاں سے آپ ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان لڑکیوں کو سلام کیا اور پھر فرمایا ”تم انعام کرنے والوں کی ناشکری کرنے سے پرہیز کرو“۔ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! انعام کرنے والوں کی ناشکری سے کیا مراد ہے۔“

جو اباً آپ ﷺ نے یوں فرمایا:

”تم میں کوئی وہ ہوتی ہے جو اپنے والدین کے گھر لمبا عرصہ گزار دیتی ہے (شادی ہونے کے انتظار میں)۔ پھر اللہ اس پر مہربانی فرماتا ہے اور اُسکی شادی ہو جاتی ہے۔ پھر اسے اولاد سے نوازا جاتا ہے۔ اسکے بعد وہ کسی بات پر غصے ہو جاتی ہے اور ناشکری کرتے ہوئے اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ میں نے تم سے کبھی خیر نہیں دیکھی۔“ (امام بخاری کی کتاب الادب المفرد، حدیث نمبر ۱۰۴۸)

## نمبر ۹: بلاستائش کے جذبے سے خدمت کریں

آپ کے دل کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ پھر لوگوں کی ستائش یا شکر یہ ادا نہ کئے جانے کی فکر نہ کریں۔ اخلاص سے اپنی گھریلو ذمہ داریاں نبھائیں۔ اللہ کبھی آپکی محنت رائیگاں جانے نہ دیگا۔ اللہ قرآن میں فرماتے ہیں:

”ہم اپنی رحمت جسے چاہے پہنچائیں اور ہم اچھا کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے“ (سورۃ یوسف آیت نمبر ۵۶)

اسی طرح خاص یہ آیت ملاحظہ کیجئے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ جیسی خواتین کے لئے اللہ اسی دنیا میں بہتر زندگی کی خوشخبری دے رہے ہیں۔

”جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت لیکن با ایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور دیں گے۔“ (سورۃ نحل آیت نمبر ۹۷)

## نمبر ۱۰: اللہ سے اپنا تعلق جوڑیں

اور آخر میں سب سے اہم یہ کہ ان تمام کوششوں کے ساتھ جو آپ اپنی گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے کر رہی ہیں، اپنا تعلق اللہ سے جوڑ لیں۔ نماز کے ذریعے اُس سے تعلق قائم کریں۔ دیکھیں وہ آپ کا رب ہے۔ بہت سی باتیں ہیں جو آپ کسی سے نہیں کہہ سکتیں مگر اپنے رب سے اُن کا ذکر کر سکتی ہیں۔ اُس کے پاس اپنا غم دل کہیں۔ دیکھیں کیسے سکون ملتا ہے۔ ویسے تو وہ ہمہ وقت ساتھ ہے۔ مگر آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ ہر رات کو اُس وقت آسمانِ دنیا پر آتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے۔“ (بخاری، حدیث نمبر ۱۱۴۵)۔ یہ وہ وقت ہے جب آپ اس سے راز و نیاز کی باتیں کر سکتی ہیں۔ اور حالات کی بہتری کے لئے اس سے گڑ گڑا کر التجا کر سکتیں ہیں۔ وہ ضرور سنے گا۔ یہ اس کی شان کے خلاف ہے کہ وہ پکارنے والے کی دادی نہ کرے۔ وہ کیا خوب فرماتا ہے:

”جب میرے بندے میرے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کریں تو آپ ﷺ کہہ دیں کہ میں قریب ہوں۔ دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب وہ مجھے پکارے۔ انہیں چاہیے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔“ (سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۱۸۶)

اس مضمون میں ہم نے گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے آپ بہنوں بیٹیوں سے کچھ گزارشات کی ہیں۔ انشاء اللہ قوی امید ہے کہ مندرجہ بالا نکات پر عمل پیرا ہو کر آپ ایک خوشگوار گھریلو ماحول ترتیب دے لیں گی۔ وہ ماحول جس کی آپ کو ہمیشہ سے آرزو رہی ہے۔

آخر میں ایک خوبصورت حدیث۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جو جوان کسی بوڑھے کا اس کے بڑھاپے کی وجہ سے احترام کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسے لوگوں کو مقرر فرمادے گا جو اسکے بڑھاپے میں اُس کا احترام کریں گے۔“ (ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۲۲)

## دولہا کی امی کے نام

کس قدر خوشی کے دن تھے۔ اپنے ہونہار اور کماؤ پوت کے لیے لڑکی ڈھونڈی جا رہی تھی۔ عزیز رشتے دار سب ہی پرامید تھے کہ شاید قریباً اٹھائی بیٹی کے نام نکلے۔ بالآخر ایک لڑکی پسند آگئی۔ ہونے والا دولہا بھی مطمئن اور خوش تھا کہ موزوں انتخاب ہوا اور دولہا کی امی اور بہنیں بھی۔ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دل کھول کر اپنی استطاعت کے مطابق ہونے والی دلہن کے لیے کپڑے اور زیورات لئے گئے۔ بے شک بہت قیمتی نہ ہوں مگر جس قدر ہوسکا بہتر سے بہتر سامان فراہم کرنے کی کوشش کی گئی۔

عزیز رشتے داروں میں جب بھی آنے والی دلہن کا ذکر ہوتا تو اُس کے گن گائے جاتے۔ کبھی خوبصورتی کی تعریف تو کبھی خاندان کی۔ اگر پڑھی لکھی اور نوکری پیشہ ہوتی اور بھی اچھی لگتی۔ غرض بڑے ارمانوں سے دلہن کو لانے کی تیاری دولہا کی امی اور بہنیں کرتی رہیں۔ اس طرح دھوم دھام سے شادی ہو گئی۔

دن گزرتے گئے۔ شروع کی دعوتوں اور سیر سپاٹوں میں سب کچھ اچھا لگتا رہا۔ یوں دولہا دلہن کی نئی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ آنے والی لڑکی نے پُر عزم طریقے سے

نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کا ارادہ کیا۔ دولہا کی ماں نے بھی حوصلہ افزائی کی اور پُر امید انداز میں ذمہ داریاں منتقل کرنا شروع کر دیں۔ جب کسی کام کے کرنے کے طریقے میں اختلاف پیدا ہونے لگا تو دونوں میں سے کوئی پیچھے نہ ہٹ سکا اور یہی وہ وقت تھا جب چھوٹے چھوٹے فروعی اختلاف گہری مخالفت (اپوزیشن) کا روپ دھارتے چلے گئے۔ نوبت جھگڑوں تک آنے لگی۔ دولہا پریشان رہنے لگا۔ کس کی سننے اور کس کی نہ سننے۔ کرے تو کیا کرے۔ یوں آنے والی اور دولہا کی امی میں خلیج بڑھتی گئی اور وہی ہوا جس کا ڈرتھا یعنی شادی کے بعد گھر میں جھگڑے۔

آخر ایسا کیوں ہوا۔ دنیا میں کس لڑکے کی ماں ہے جو اپنے بیٹے کے لیے جب لڑکی ڈھونڈتی ہے تو اُس کے دل میں ہوتا ہے کہ آ لینے دو، خوب جھگڑے کروں گی۔ بلکہ یہی خیال ہوتا ہے کہ آنے والی کا آنا مبارک ہو۔ خوب اچھی زندگی گزرے گی۔ اپنی بھی اور اپنے بیٹے اور آنے والے کی بھی۔ پھر آخر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بات جھگڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کی وجہ جو سمجھ آتی ہے وہ تین بنیادی باتیں ہیں۔

اگر آپ بحیثیت دولہا کی والدہ، ان تین باتوں پر غور کریں اور ان کو اپنائیں تو آپ کو انشاء اللہ وہ سب حاصل ہو جائے گا جس کے لیے آپ نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی خوشی اور مبارک سلامت کے شور میں کی تھی۔ یہ تین باتیں اس مضمون میں پیش کی گئی ہیں، جو اس طرح ہیں:

## ۱: فروعی غلطیوں پر درگزر سے کام لیں

یہ بہت اہم ہے۔ یہ چاہنا کہ آنے والا سو فیصدی وہی کرے جو ہمیں صحیح معلوم ہوتا ہے مناسب طریقہ نہیں اور جب نہ کر سکے تو ہمیں برا معلوم ہونے لگے۔

دیکھیں آنے والا ایک مختلف ماحول سے آیا ہے۔ جسکی بدولت جہاں اُس میں کچھ اچھائیاں ہونگی وہاں آپ کو کچھ اچھا نہیں بھی لگے گا۔ اگر آپ نے انہی باتوں پر سوچنا شروع کر دیا جو آپ کو مناسب نہیں لگ رہیں تو پھر بات نہ بن سکے گی۔ مثلاً ایسا سوچنا کہ 'اِس رنگ کے کپڑے کیوں پہنے؟'۔ 'صبح جلد کام کیوں نہ شروع کئے؟' وغیرہ، وغیرہ۔

دیکھیں اگر آنے والی اپنے شوہر کی وفادار ہے، گھر کو آباد رکھنے میں مخلص ہے تو فروعی اور چھوٹی موٹی باتیں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔ ان کو نظر انداز کرنے کی کوشش کریں، ایک بڑے مقصد کے لیے۔ آپ ﷺ کی ایک حدیث ہے۔ گو وہ شوہر پر مناسب اترتی ہے مگر اسمیں ایک رہنمائی آپ کے لیے بھی ہے۔

”کوئی مومن (شوہر) کسی مومنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی ایک عادت اسے ناپسند ہو تو کوئی دوسری عادت پسند بھی ہوگی۔“

(مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۳۲۴۰)

لہذا اس پر غور کریں۔ گھر میں چھوڑی چھوٹی باتوں پر ناراضگیاں ہونے لگیں گی تو نہ آپ خوش رہ سکیں گی نہ کوئی اور۔ جبکہ کوتاہیوں کو درگزر کرنے کا معاملہ آپ کے خاندان کو بکھرنے نہ دے گا۔ قلبی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی۔ انشاء اللہ۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”عفو و درگزر کرنے سے آدمی کی عزت بڑھتی ہے۔“

(ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۲۹)

## ۲: آنے والے کو اختیارات دیں

ہر عورت جب دلہن بن کر اپنے شوہر کے گھر آتی ہے تو اسکے دل میں کچھ ارمان ہوتے ہیں۔ گھر کو اچھی طرح چلانے کے، میل جول کے، خوش رہنے کے، خوش کرنے کے۔ لہذا اس کے لئے آنے والی کو اختیارات منتقل کرتے جائیں۔ آپ الگ گھر میں رہ رہی ہوں یا بیٹے کے ساتھ۔ ہر دو صورت میں آنے والی کو گھر چلانے دیں اور اسمیں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ فطری بات ہے۔ جہاں آپ چاہتی ہیں کہ آنے والی گھر کو خوش اسلوبی سے چلائے اور گھر کا نظم و نسق بہتر رہے، وہاں اختیارات بھی دیجئے۔ اگر وہ چاہتی ہے کہ گھر کا سودا سلف اس کے شوہر مہینہ بھر کا ایک ساتھ ہی لے آیا کریں، تو وہاں اس بات پر مصر رہنے کا کیا فائدہ کہ ہمارے ہاں تو ہفتے ہفتے کا آتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہوگا۔ اس طرح کی اور بھی چھوٹی چھوٹی مثالیں ہیں۔ مثلاً وہ چاہتی ہے کہ جب گھر میں تمام بستروں کی چادریں بدلی جائیں تو سارے گھر میں ایک طرح (Pattern) ہی کی بچھائی جائیں، جبکہ آپ کو یکساں انداز پسند نہیں۔ ایسی بحثیں اختیارات منتقل نہ ہونے دیں گی اور گھر کو اچھے انداز میں چلانے کی ذمہ داری آنے والی کو بغیر اختیارات کے دینا مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہونے دیگا۔ یوں وہ بھی پریشان ہوگی اور گھر کا ماحول بھی خراب رہے گا۔ گھر کا سربراہ تو یقیناً آپ کا بیٹا ہی ہے مگر سربراہ کے نیچے ایک عورت یعنی اُسکی بیوی کو گھر بہتر انداز میں چلانے کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ لہذا اُسے موقع دیں تاکہ وہ بہتر انداز میں اپنی یہ ذمہ داری نبھا سکے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”تم میں سے ہر شخص نگہباں ہے اور جو اُس کے ماتحت ہے اسکے بارے میں اُس سے سوال ہوگا۔ پس لوگوں کا امیر نگہباں ہے اور اُس سے اُن کے بارے میں سوال ہوگا۔ اور مرد گھر والوں پر نگہبان ہے اور اُس سے اُن کے بارے میں سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اسکے بچوں پر نگہبان ہے اور اُس سے اُن کے بارے میں سوال ہوگا۔ پس جان لو کہ تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور اُس سے اسکے ماتحت (جو کچھ ہے) اسکے بارے میں سوال ہوگا۔“ (بخاری، حدیث نمبر ۲۵۵۴)

### ۳: ہمیشہ اچھی بات کہیں

زبان کا زیادہ استعمال جھگڑوں کی نوبت لے آتا ہے۔ اس کا خیال رکھیں۔ دوسرے کے ہر عمل پر رائے دینا ضروری نہیں، اسی طرح ہر بات کا جواب دینا بھی ضروری نہیں۔ اس سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اچھی بات زبان سے نکالے یا خاموش رہے۔“ (بخاری، حدیث نمبر ۶۱۳۸)

قرآن میں اللہ فرماتے ہیں:

”میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو (اس لیے کہ) بے شک شیطان آدمیوں میں جھگڑا پڑواتا ہے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۵۳)

یہاں پر یہ بات بھی درست ہے کہ کبھی آپ نہیں بھی اعتراض کرنا چاہتیں مگر سامنے والا اپنی کوتاہی کی بدولت خود موقع دیتا ہے اور آپ سے رہا نہیں جاتا اور آپ

کہہ دیتی ہیں۔ جو سامنے والے کو برا لگتا ہے اور یوں ناراضگیاں جنم لیتی ہیں۔ ایسی صورت حال سے بچنے کے لئے قرآن ہماری خوب رہنمائی کر رہا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں:

”اچھائی اور برائی برابر نہیں۔ تو تم برائی کا بدلہ اچھائی سے دو، پھر جس میں اور تم میں دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائیگا جیسے دلی دوست۔ اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی مگر ان کو جو بڑے صبر والے ہیں اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی مگر ان کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔“ (سورۃ حم سجدہ، آیت ۳۴، ۳۵)

دیکھیں کیا خوب ہمارے لئے ہمارے اللہ کی طرف سے رہنمائی ہے۔

اس مختصر مضمون میں ہم نے آپ سے بحیثیت دولہا کی والدہ کے چند گزارشات کی ہیں۔ اپنی بیٹیوں، بھانجی، بھتیجیوں کے لیے اُنکے نئے گھروں میں خوش و خرم رہنے کی آپ کی آرزو، آپ کے لیے اپنے ہاں آنے والی کے ساتھ معاملات حکمت سے استوار کرنا آسان کر دیگی۔ اور پھر انشاء اللہ آپ کے اطراف خوشیاں ہوں گی۔ بس ذرا معاملات پر از سر نو غور کرنے کی استدعا ہے۔ ایک بڑے مقصد کے حصول کے لیے۔ گھر میں خوشی، امن اور چین کا مقصد۔

دعا ہے کہ اللہ آپ کے گھروں کو ہمیشہ ہنستا بتار کھے۔ آمین۔

## جامع دُعا

آپ کو معاشرتی زندگی میں مسائل کا سامنا رہ سکتا ہے۔ کبھی گھریلو پریشانی تو کبھی دفتری پریشانیاں۔ ان سے نجات یا یوں کہیں کہ ان کا حل دعا میں مضمر ہے۔ لہذا دعا کیجئے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”اللہ کی نظر میں دعا سے زیادہ معزز کوئی چیز نہیں۔“

(ابن ماجہ، حدیث نمبر ۳۸۲۹)

یہاں آپ ﷺ کی جامع دُعا لکھی جا رہی ہے۔ جو اس طرح ہے:

حضرت ابی امامہؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بہت سی دعائیں کیں۔ ہم اُن میں سے کچھ بھی یاد نہ رکھ سکے۔ ہم نے کہا کہ ”حضور ﷺ! آپ ﷺ نے اتنی دعائیں کی ہیں کہ ہمیں اُن میں سے کوئی یاد نہیں رہی۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں تمہیں وہ نہ بتا دوں جو ان تمام کو جامع ہو۔ تم یہ کہا کرو“:

”اے اللہ! ہم تجھ سے اُس خیر کا سوال کرتے ہیں جس کا سوال تیرے نبی ﷺ نے تجھ سے کیا اور ہم اُس شر سے پناہ مانگتے ہیں جس سے تیرے نبی ﷺ نے پناہ مانگی۔ تجھ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے اور تو ہی پورا کرنے والا ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“

(ترمذی، حدیث نمبر ۳۵۲۱)

دیکھئے کس قدر خوبصورت دعا ہے کہ اے اللہ آپ ﷺ نے تجھ سے  
 جو اچھائیاں طلب کیں وہ ہمیں بھی عطا کر۔ اور جن برائیوں سے پناہ چاہی اُن سے  
 ہمیں بھی پناہ میں رکھ۔ یوں آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ ﷺ کی اللہ  
 سے کی گئی تمام دُعائیں اس دعا میں آگئی ہیں۔ سبحان اللہ۔

عربی میں یہ دعایوں ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكُ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى  
 اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ  
 مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ  
 الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

